آئینۂ کنزالایمان

ماہ نامہ کنزالایمان سے متعلق کوئی بھی رقم مندرجہ ذیل بینک اکاؤنٹ نمبر میں جمع کر سکتے ہیں

نوٹ: کنزالایمان کی سالانہ قیمت -/250 ہے۔ اسے آپ ڈاک خانہ سے منی آرڈر کریں۔ بوجہ مجبوری بینک اکاؤنٹ میں -/300 روپے جمع کریں۔

SBI BANK A/c No.:35490268797
IFSC Code: SBIN0002366 Branch: Jama Masjid
NAME: KANZUL IMAN MONTHLY

رضوی کتاب گھر سے متعلق کوئی بھی رقم مندرجہ ذیل بینک اکاؤنٹ نمبر میں جمع کر سکتے ہیں

منی آرڈر فارم کے اوپر آپ اپنا پورا پتہ پن کوڈ کے ساتھ لکھیں اور اس پتے پر بھیج دیں۔ دفتر ماہنامہ کنزالایمان 423 مٹیا محل جامع مسجد دہلی۔6

ICICI BANK A/c No.:629205502129
IFSC Code: ICIC0006292 Branch: Chandni Chowk
NAME: RAZAVI KITAB GHAR

(نوٹ) رقم جمع کرنے کے بعد فون پر ضرور اطلاع کریں - 011-23264524

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت کے مشاہیر علمائے ہند

1. شیخ عبد الحق محدث دہلوی
2. مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی
3. علامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
4. علامہ عبد العلی فرنگی محلی لکھنوی
5. شاہ عبد العزیز محدث دہلوی
6. شاہ غلام علی نقشبندی دہلوی
7. شاہ احمد سعید مجددی رام پوری
8. علامہ فضلِ حق چشتی خیر آبادی
9. علامہ عبد العلیم فرنگی محلی لکھنوی
10. علامہ فضلِ رسول عثمانی بدایونی
11. سید شاہ آلِ رسول احمد مارہروی
12. مفتی ارشاد حسین مجددی رام پوری
13. مفتی غلام دستگیر قصوری لاہوری
14. علامہ عبد القادر برکاتی بدایونی
15. امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی
16. سید شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی
17. شیخ الاسلام شاہ انوار اللہ فاروقی حیدر آبادی

کے مسلکِ حق و صداقت کا نقیب و ترجمان

بفیضِ حضور مفتی اعظم ہند حضرت علامہ شاہ مصطفیٰ رضا قادری برکاتی علیہ الرحمۃ والرضوان

ماہنامہ کنز الایمان دہلی

مئی ۲۰۱۸ء

شعبان المعظم / رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ

جلد ۲۱ — شمارہ ۵

تفصیلِ ممبر شپ

قیمت فی شمارہ	۲۰ روپے
سالانہ	۲۵۰ روپے
اعزازی	۵۰۰ روپے
تاحیات	۱۰۰۰۰ روپے
بیرونِ ممالک	۳۰ امریکی ڈالر
تاحیات	۲۰۰۰ امریکی ڈالر

Published, Printed & On Behalf Of
Mohammed Qamruddin Razvi
Printed At : Javed Press 2096 Rodgran,
Lal Kuan, Delhi-06
Published From Kanzul Iman Monthly
423, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-06

ماہ نامہ کنز الایمان دہلی
آن لائن پڑھنے کے لیے لاگ اِن کریں
www.razvikitabghar.com

نوٹ: رسالے سے متعلق کوئی بھی مقدمہ صرف دہلی کی عدالت میں قابلِ سماعت ہوگا۔ مضمون نگار کی رائے سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ (ادارہ)

ڈرافٹ
KANZUL IMAN MONTHLY
کے نام سے بنوائیں

مراسلت و ترسیلِ زر کا پتہ

ماہنامہ کنز الایمان دہلی

۴۲۳، مٹیا محل جامع مسجد، دہلی ۶

KANZUL IMAN MONTHLY
423, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-6 (India)
Ph:.23264524 Email.kanzuliman.delhi@gmail.com

اداریہ

ناخواندگی، درماندگی، پس ماندگی

آزاد بھارت میں ذات پات کی سیاسی دیوی کے تین چہرے اور سماجی تاریخ کہ نہ رام کے ہوئے نہ عوام کے

محمد ظفر الدین برکاتی★

ہندوستان، دنیا کی آزاد حکومتوں اور خود مختار ملکوں میں واحد ایسا جمہوری ملک ہے جہاں کے لوگ درماندہ اور پس ماندہ رہنے کی قانونی چارہ جوئی کرتے ہیں، اکثریت کو اکثریت تسلیم کرتے ہیں، صرف اس لئے کہ وہ افرادی تعداد میں زیادہ ہیں، لیکن اس سے بڑی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اُن کی اِس روایتی ذہنیت اور معمولی سوچ کی وجہ سے دستورِ ہند میں بھی اکثریت اور اقلیت (Mejority & Minority) کے تہذیبی اور بھارتیہ بھید بھاؤ کو تسلیم کر لیا گیا ہے، انتظامیہ اور عدلیہ بھی اسی اکثریت اور اقلیت کی پگڈنڈیوں پر چلتے ہیں، میڈیا بھی اقلیت، اکثریت کرتے رہتا ہے، اس لئے یہاں کی سیاست بھی اقلیت اور اکثریت کے تحت ہی اڑان بھرتی ہے۔ اِس صورتِ حال کا بھیانک نتیجہ یہ ہے کہ بھارت کے سیاست داں اور سیاسی جماعتیں آزادی کے بعد سے ہی ذات پات کی سیاست کرتی آرہی ہیں، بدقسمتی سے ذاتی واد کی پرانی تہذیب اور برہمن ازم کی سماجی روایت کے تحت او بی سی، ایس سی، ایس ٹی کی دستوری اور جمہوری تقسیم کو درماندگی اور پس ماندگی سمجھ لیا گیا ہے اور جن کو درماندہ اور پسماندہ سمجھا گیا ہے، اُن کے کان بھی اپنے لئے یہ اتنی بار سن چکے بلکہ بول چکے اور لکھ چکے ہیں کہ انہیں بھی اب یقین ہو چلا ہے کہ ہم واقعی درماندہ اور پس ماندہ ہیں۔

اسی طرح بھارت کی دوسری سب سے بڑی انسانی آبادی (کم خواندہ و ناخواندہ) مسلمان بھی شعوری طور پر جب کہ تعلیم یافتہ مسلمان غیر شعوری طور پر اپنے آپ کو اقلیت تصور کرتے، کہتے اور لکھتے بھی ہیں۔ اکثریتی سماج کے عوام و خواص نے بھی یہ سمجھ لیا ہے کہ ''ہم سب سے اوپر ہیں'' کیوں کہ ''ہم اکثریت'' ہیں۔ ٹھیک اسی طرح اقلیت کے عوام و خواص نے بھی یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم اقلیت ہیں، اس لئے اکثریت کی طرف سے ہونے والی بہت سی زیادتیاں برداشت کر لی جاتی ہیں کہ اُن کا حق ہے اور برداشت کر لینا ہماری قسمت ہے حالاں کہ یہ اپنی انسانیت اور آدمیت کی توہین ہے اور ظالم کے ظلم کو برداشت کرتے رہنا بجائے خود ایک خود ظلم ہے مگر ظلم سہنے کو اپنی قسمت سمجھ لینا اُس سے بڑا ظلم ہے یہ ظلم ہم برسوں سے ''اقلیت کی گھونٹ'' پی کر کرتے رہے ہیں۔

اس کی وجہ سے دستوری اور سیاسی سماجی نظریات کے جمہوری تانے بانے ٹوٹ چکے ہیں اور حال یہ ہے کہ لکھا پڑھا کچھ جاتا ہے لیکن سمجھا کچھ جاتا ہے جیسے اکثریت کا مطلب یہ تھا کہ بھارت کی انسانی آبادی میں ہندومت سماج کے لوگ زیادہ ہیں جب کہ اقلیت کا معنی یہ ہے کہ آبادی میں ان کی تعداد، اکثریت سے کم ہے لیکن آج معنی یہ ہے کہ اکثریت وہ ہے جو، اقلیت پر اپنی برتری کے لئے کچھ بھی کر سکتا ہے اور اقلیت وہی ہو سکتا ہے جو، اکثریت کی مرضی کے مطابق چلے۔

اِس پس ماندہ سوچ، اِس درماندہ فکر و خیال اور اِس عجیب و غریب قومیت کا سیاسی اور سماجی نتیجہ یہ سامنے آیا ہے کہ بھارت کے سیاست داں اور سیاسی جماعتیں پس ماندگی کے نام پر پس ماندوں کو آپس میں لڑا کر اُن ہی پس ماندوں کے ووٹ سے منتخب ہو کر اقتدار حاصل کرتی ہیں حالاں کہ دستورِ ہند کے مطابق ہمارے دیش کا انتخابی نظام اِس لئے بنایا گیا ہے کہ ''عوام کے انتخاب سے عوام کے لئے عوامی حکومت منتخب ہو'' لیکن یہاں ناخواندہ عوام کی درماندگی اور پسماندوں کے مذہبی جذبات کے سیاسی انتخاب سے انتہائی خواص کی حکومت بنتی ہے جس کے لئے اسی عوام کا خون پسینہ استعمال ہوتا ہے، انہی کے گھر جلتے ہیں، انہی کے روٹی، کپڑا کی دکانیں سیل کی جاتی ہیں اور مکان توڑے جاتے ہیں، انہی کی زمینوں پر بڑے بڑوں کے بڑے بڑے کارخانے اور کمپنیاں بنتی ہیں، انہی کی اگائی ہوئی فصلوں اور اَناج کو فروخت کر کے ساہوں کاروں، جمع خوروں اور سرکاروں کے کاروبارِ زندگی چلتے ہیں پھر اُن کے

بکے ہوئے اناج کی پس ماندہ رقم انھیں بطورِ قرض واپس کردی جاتی ہے اور پھر سود پر سود وصول کرنے کے بعد معاف کرنے کی سیاست ہوتی ہے۔

آزاد ہندوستان میں ذاتی واد کی پٹری پر چلنے والی بھارتیہ سیاسی ریل کی یہ تصویر پرانی ہوچکی ہے اور یہ سب ناخواندگی کا نتیجہ ہے۔ جہاں اسکول کالج کاغذوں پر چلیں، ہاسپٹل دستاویزوں میں بند ہوں، یونیورسٹی کا وجود بھی نہ ہولیکن اس کی ڈگریاں بہتوں کے پاس ہوں، اناج گودام میں ہی رہے اور جمع خوروں تک پہنچ جائے لیکن کاغذوں میں گاؤں کے گاؤں آسودہ ہوں، تالاب خشک اور ٹیوب ویل بے کار پڑے ہوں لیکن کاغذات میں مسلسل پانی کی سپلائی جاری ہو، غریبوں کے گھر اور پاخانے زمین پر موجود نہ ہوں لیکن مکھیا پردھان کے یہاں سب کی تعمیر و تکمیل کا پختہ ریکارڈ موجود ہو، شادی بیاہ اور تعلیم وتجارت کی سرکاری رقم، ضرورت مندوں تک پہنچ کر ایک روپے میں سے چار آنہ رہ جائے بلکہ دس پیسے رہ جائیں مگر سرکاریں خوب چلیں (وغیرہ) ایسے دیش میں خواندگی کی ضرورت کیا ہے، چند پڑھے لکھے لوگ ہوں، اتنے ہی کافی ہیں۔ باقی لوگ درماندہ اور پس ماندہ بن کر انگوٹھے لگا کر اپنے پس ماندہ حقوق تو حاصل کر ہی لیں گے۔

دراصل اسی درماندگی اور پس ماندگی کی سرکاری پرورش کرنے والی سیاست کو ہم اصلی ''ناخواندگی'' کہہ سکتے ہیں اور سیاست دانوں کو ''ناخواندہ'' کہ یہی ناخواندگی ہے، اِس ناخواندگی کی ریت رواج اور سماج نے سبھی درماندوں اور پس ماندوں کو عادت ڈال رکھی ہے کہ انھوں نے اپنی رقم، اپنی زمین، اپنے وقت اور اپنے دستوری حق ''ووٹ'' کو بھی ناخواندگی کے اِن نمائندوں کے نام گروی رکھ دیا ہے۔ یعنی اِس ناخواندگی نے بے شماروں کو درماندہ بنایا ہے اور پھر درماندوں نے پس ماندگی میں ہی اپنی سیاسی وسماجی عافیت سمجھ رکھی ہے، اِس طرح کی سیاسی روایت اور تہذیبی سیاست کا ایک مکمل چین سسٹم ہے جس کی جڑیں اتنی مضبوط ہیں اور جڑوں کی گہرائی اتنی خطرناک ہے کہ اچھے اچھے کیجر یوال معافی مانگتے نظر آتے ہیں اور قانون واقتدار کی سیاسی نکیل ہاتھ میں باضابطہ آجانے کے باوجود دھرنوں پر بیٹھ کر اپنے آئینی منصب ومقام کی عزت وعظمت کی دہائی دیتے ہیں۔

بڑی باریک اور گھٹیا سیاست ہے ہندوستان کی اور ہندوستانی جمہوریت کی بات ہی نرالی ہے کہ صرف اتنا سمجھتے سمجھتے چار سال نکل گئے کہ سب سے کم GDP والے وزیر اعظم نے گجرات کا وزیر اعلیٰ رہتے ہوئے اس کی مخالفت کس بنیاد پر کی تھی؟ پیٹرول کی قیمت میں اضافہ کی شدید مخالفت کرنے والے شخص نے وزیر اعظم ہوکر بڑھتی قیمت پر وزیر پیٹرولیم اور مالیات کی پیٹھ کیوں تھپتھپائی ہے؟ کانگریس کی دیہی پالیسی ''منریگا'' کی مخالفت پر تقریر کرنے والے وزیر اعظم ہوتے ہی منریگا کے خیر مقدم پر تقریر کیسے کرنے لگے؟ آدھار کارڈ پر ہونے والے اخراجات کی بنیاد پر منموہن سنگھ کی شرافت کا مذاق اڑانے والے صاحب (اپنے خیر خواہ دولت مندوں کی بھلائی کے لئے) آدھار کارڈ کو ہر سرکاری سہولت کے لئے لازم قرار دینے کی وکالت کیوں کرنے لگے اور کیسے نافذ بھی کرادیا؟ ہندوستان کے خردہ مارکیٹ اور بردہ فروشی کے بازار میں ۱۸ فیصد بیرونی سرمایہ کاری (FDI) کے مخالف مودی جی نے سو فیصد ایف ڈی آئی کیسے نافذ کردی؟ لوک پال کی تقرری نہ کرنے پر کانگریس کی ایسی تیسی کرنے والے بھول گئے کہ لوک پال کی اب تک نیوکتی نہیں ہو پائی ہے۔ جی ایس ٹی کی شدید مخالفت کرنے والے گجراتی سیاست داں نے وزیر اعظم ہوتے ہی ایسی جی ایس ٹی لگائی کہ ٹیکس سے لوگ ڈرنے لگے جیسے کہ وہ ایک بھیانک بھوت ہے۔

اِن سبھی واقعات پر تبصرہ کرتے ہوئے بے شمار سیاست دانوں اور تجزیہ کاروں نے اپنی اپنی رائے دی ہے اور اُسے ''تھوک کر چاٹنے'' کی سیاست کہا ہے لیکن ہمارے مطلب کی بات یہ ہے کہ ووٹ، ووٹ، ووٹ کے راستے ایک وزیر اعلیٰ، وزیر اعظم کے منصب پر پہنچتا ہے اور جس طرح کی ووٹ کی سیاست سے وہ اِس مقام پر پہنچا ہے، اس کے ہر موڑ پر یہی لوگ کام آئے ہیں جن کو بھارت کا آئین، ایس سی، ایس ٹی، او بی سی اور پس ماندہ، درماندہ کہتا ہے لیکن سپریم کورٹ کے ایک وضاحتی اعلان کی غلط فہمی کی بنیاد پر جب انہیں لگا ہے کہ اُن کی دستوری درماندگی اور پس ماندگی آج خطرے میں ہے تو اُن کے ہاتھوں، میں ''ہندو خطرے میں ہے'' کی تختیاں تھمانے والے یہ سیاست داں خاموش ہیں۔ البتہ دلتوں کے درپردہ دشمن بی جے پی کو اُس وقت بڑا دھچکا لگا ہے جب سپریم کورٹ نے اُس کی پول کھولی ہے اور صفائی دی ہے کہ ایس سی ایس ٹی میں کسی طرح کی ترمیم نہیں ہونے والی، اُس کے غلط سیاسی استعمال کا راستہ بند کرنا ہے۔

افسوس ہے کہ اِن درماندہ اور پس ماندہ ہندوستانیوں کو اب تک یہ احساس نہیں کہ ووٹ کی اِس گندگی اور گھٹیا سیاست کی حویلی میں بیٹھانے کا قانونی راستہ یہی لوگ ہیں لیکن اپنی ''قانونیت'' کو ''ہندوئیت'' پر قربانی کرتے وقت ان کی مت ماری جاتی ہے، اس لئے ''ہندومت'' کو

خطرے میں دیکھ کر بھارت جلاؤ پارٹی کا سیاسی الاؤ بن جاتے ہیں۔ یہ بات اُن کو سمجھا دینے کی ضرورت ہے، ہاں اِس ہفتے میں دیش کے مختلف شہروں میں کسی قیادت کے بغیر دلتوں کی ہونے والی ریلیوں کو دیکھ کر اُن میں سیاسی تبدیلی کے آثار نظر آنے لگے ہیں جیسے بہار سے ایک خبر آ رہی ہے کہ ایک دلت نیتا منئی رام نے برہمن ازم اور بی جے پی کی ذات پات والی گھٹیا سیاست کو جوتوں کی نوک پر رکھتے ہوئے ''ہریجستان'' کے نام سے دلتوں کی ایک نئی الگ ریاست کا مطالبہ کیا ہے لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ آر ایس ایس کے ''ہندومت'' کے سیاسی معجون میں وہ تاثیر ہے کہ منئی رام کا یہ مطالبہ خواب وخیال بن کر رہ جائے گا جب تک کہ ایسے دلتوں کے دل ودماغ سے آر ایس ایس کے ''ہندومت'' کا بھوت نہ نکل جائے۔

دراصل آر ایس ایس اور بی جے پی کے ڈی این اے کی ایک پہچان یہ ہے کہ ''وہ نہ رام کے ہیں نہ عوام کے'' ان کی ہندوازم یہ ہے کہ ہندوستانی کے ہندو دلتوں، کو بھی ہندوستانی سماج کے برابر نہیں دیکھنا چاہتے، وہ ہمیشہ یہی خواہش رکھتے ہیں کہ یہ طبقہ ہمارے پیروں میں رہے، اس لئے ان کی اِس خواہش کو جو بھی چیلنج کرتا ہے، اس کو ''ہندو کا ایمان'' کی رسی میں کس دیتے اور گنگا اَشنان کرا دیتے ہیں، ہاں ایک ہوشیاری کرتے ہیں کہ ان کی سیاسی بیداری میں شریک دلتوں کو آتنک وادی نہیں کہتے، جیسے کہ اپنے حقوق کی بات کرنے والے مسلمانوں کو انتہا پسند کہہ دیتے اور پھر پوری قوم مسلم کو دہشت گرد بولنے لگتے ہیں۔

آر ایس ایس اور بی جے پی کا یہی اصلی چہرہ ہے، اِس پارٹی نے اب تک منووادی اور ذاتی واد کی ہی سیاست کی ہے، یہ برہمنوں کی پارٹی ہے جس میں ''بہوجن سماج'' کو ناپاک تصور کیا جاتا ہے۔ گزشتہ دو تین سالوں میں گجرات سے اتر پردیش تک اور مدھیہ پردیش سے راجستھان تک اور آج بہار سے لے کر بنگال تک دیکھ لیں، جہاں بھی کوئی مارا گیا ہے، بس میں جلایا گیا ہے یا بسیں جلائی گئی ہیں، ٹرین میں مارا گیا ہے اور بھیڑ نے مار دیا ہے، کس بھاؤ نگر گجرات میں پردیپ راٹھور کو بھی گھوڑے سے گرا دیا گیا ہے، اجین میں کہیں مردہ گائے کا چمڑہ اتارنے پر تو کہیں اپنی شادی میں گھوڑی پر سوار ہو کر بارات نکالنے کی وجہ سے ایک ہندو دلت کو مار ڈالا گیا ہے (الٰہ آباد ہائی کورٹ نے بھی کاس گنج کے اِس ہندو دلت کی عرضی پر کوئی فیصلہ دینے سے اکار کر دیا ہے)

اِن سبھی فسادات اور حادثات میں دلت ہی، یوں کہہ لیں کہ ایس سی، ایس ٹی اور او بی سی کے ہی لوگ مارے گئے ہیں، کوئی بھی برہمن، بڑی ذات اور سیاست داں کا بیٹا، رشتے دار نہیں مارا گیا ہے بلکہ برہمنوں، بڑی ذات کے لوگوں اور سیادت دانوں کے نام بلکہ ان کی اولاد کے نام اور کارنامے ضرور سامنے آئے ہیں کہ انہی کی وجہ سے یہ فساد ہوا ہے لیکن اب بھی دلت اور پس ماندہ سماج ہی کو سزا مل رہی ہے۔ یہ سیاست داں اب بھی آزاد ہیں اور پھر اُن کی لاشوں پر سیاست بھی کر رہے ہیں۔

کمال کی سیاست ہے کہ بڑی ذات کے یہ ہندو، ان کو زندہ بھی نہیں پسند کرتے اور مردہ بھی دیکھنا نہیں چاہتے۔ کہیں امبیڈکر کی مورتی توڑ دیتے ہیں، کہیں پیریار کا مجسمہ گرا دیا جاتا ہے تو کہیں مولانا ابوالکلام آزاد بھی معاف نہیں کیے جاتے، نہ زندہ رہنے دیں اور نہ مردہ ہی کھڑا دیکھ سکتے ہیں، ہر جگہ مجسمے توڑے جا رہے ہیں۔

یہ ہے این ڈی اے کا ڈی این اے جس کی دلتوں کے ریزرویشن سے متعلق دلیل یہ ہے کہ ''دلتوں کو ریزرویشن دِیے جانے کی وجہ سے ہمارے ملک کا پورا سسٹم خراب ہو گیا ہے'' حالاں کہ سچائی یہ ہے کہ ہندو سماج میں اعلیٰ ذات کے سیاست دانوں کی وجہ سے سارا سسٹم خراب ہوا ہے۔ جب کہ سپریم کورٹ کی دلیل یہ ہے کہ ''درماندگی اور پس ماندگی کے نام پر اس ایکٹ کا غلط استعمال ہوتا ہے، اس لئے ان کا رزرویشن ختم نہیں ہونا چاہیے بلکہ اُس ایکٹ کے سیاسی استعمال پر غور کیا جانا چاہئے۔'' جب کہ بی آر پی بہوجن مہا سنگھ کے سربراہ پرکاش امبیڈکر (پوتے) نے کہا ہے کہ ''دلت ایکٹ کا غلط استعمال ہوسکتا ہے، یہ دلیل ٹھیک نہیں۔'' اور پھر یہ دھمکی دی ہے کہ سرکار کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے کشمیر کے تین چار ضلع ہی حساس ہیں لیکن دلتوں کو چھیڑا گیا تو پورا بھارت کشمیر بن جائے گا۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ جسے اپنی شادی اپنی خوشی کے مطابق نہ کرنے دیا جائے۔

دراصل آزادی کے بعد اِن اعلیٰ ذات کے ہندو (مسلم بھی) سیاست دانوں نے ایس سی، ایس ٹی، او بی سی سماج کے ساتھ کتنی قانونی خلاف ورزیاں کی ہیں اور کیسے کیسے قانون کا غلط استعمال کیا ہے، سب کی تاریخ سپریم کورٹ میں محفوظ ہے، اسی لئے وہ چاہتے ہیں کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ رہا یہ سوال کہ دلتوں اور پس ماندہ ہندوستانیوں کی توہین، تذلیل اور اُن پر تشدد کرنے والے یہ افراد کیسے محفوظ رہے، بتانے کی ضرورت نہیں، تین ماہ پہلے سپریم کورٹ کے چار ججوں نے اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

اور ہاں! غلط فہمی اور خوش فہمی کا توازن بگڑنے نہ پائے کہ صرف یہی ایک سیاسی جماعت نہیں جس کا یہ اصلی چہرہ ہے، حقیقت میں اس کی پرورش کرنے والی سیاسی ماں تو کانگریس ہے، نظر اٹھا کر دیکھ لیں کہ بی جے پی کے اکثر نیتا کانگریسی ہیں اور کانگریسی اقتدار کے دور میں بھی آر ایس ایس کا جھنڈا، بھگوا رہا ہے اور اتفاق سے ناگپور ہیڈ آفس پر ترنگا کی جگہ ان کا ہی بھگوا جھنڈا لہرا تا رہا ہے اور کانگریس کی در پردہ سیاسی حمایت سے اُس کی پرورش ہوتی رہی اور آج وہ جوان ہے لیکن کانگریس چوں کہ آج اقتدار میں نہیں، اس لئے وہ بھی چلانے لگی ہے کہ آر ایس ایس کا جھنڈا ''ترنگا'' نہیں، بھگوا ہے۔

آج اسی جھنڈے کا جنون، دلت ہندو نوجوانوں کے اندر اتر آیا ہے جن کو برہمن ناپاک سمجھتے ہیں اور سمجھتے رہے ہیں، اس جنونی گروہ نے بی جے پی کی پشت پناہی میں رام نومی اور ہنومان جینتی کے موقع پر ایسا آتنک واد مچایا ہے کہ بہار میں بی جے پی کے لیڈر سی پی ٹھاکر نے بھی بی جے پی کے بڑوں اور مودی جی سے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا ہے کہ ہندو مسلم فساد کرا کر سیاست کرنے کا طریقہ بند کریں اور تعمیر و ترقی کے نام پر سیاست کریں۔ یہ گھٹیا سیاست ہے جو زیادہ دنوں تک نہیں چلے گی، بند کریں اُس کو۔

اسی طرح راجستھان کے بوندی ضلع میں ہنومان جینتی کی شوبھا یاترہ کے بعد بھگوا جنونیوں نے جو نقصان کیا ہے، اس پر وہاں کے عوام نے مودی جی سے ہاتھ جوڑ کر پوچھا ہے کہ ہم نے آپ کو ''ووٹ'' دے کر کون سی غلطی کر ڈالی کہ ہمارے پڑوسیوں کے مکان جلا رہے ہیں اور ہماری دکانوں میں آگ لگا رہے ہیں؟ شری مان! یہ دھرم سنکٹ ہے، دھرم نہیں۔

اور فروری میں دہلی کے یش پال سکسینہ نے بھی یہی عرضی لگائی تھی کہ ایک مسلم نوجوان کی وجہ سے میرے نوجوان بیٹے کی جان گئی، اب وہ تو ملنے سے رہا لیکن میرا نام لے کر، میرے دھرم کو جوڑ کر ہندو مسلم کی سیاست نہ کریں بی جے پی اور کانگریس پارٹی کے لوگ۔

اب وہی بات آسنسول کی نوری مسجد کے امام و خطیب مولانا محمد امداد اللہ رشیدی اپنے نوجوان بیٹا صبغۃ اللہ رشیدی کی شہادت پر کہہ رہے ہیں کہ ماحول کو خراب نہ کریں، ہمارا بیٹا واپس ملنے والا نہیں، اس لئے گندی اور گھٹیا سیاست سے اِس شہر کو محفوظ رہنے دیں۔ صبغۃ اللہ کی شہادت اُن کے ہی ہاتھ سے لکھی تھی، وہ ہو گئی۔ اُس کا وقت پورا ہو گیا تھا ، اس لئے اُس کا بدلہ لینے کی خاطر ہرگز کوئی انتقامی حرکت نہ کی جائے۔

عوام کی روٹی، کپڑا، اور مکان کی بربادی کے بعد اُن کی خون کی ہولی کھیل کر اقتدار کی کرسی پانے والے اِن سیاسی انتہا پسندوں کی فرقہ پرستی اتنی بڑھ گئی ہے کہ اب انسانوں کے مرنے پر سیاسی انسانوں کو ہرگز کوئی تکلیف نہیں ہوتی، البتہ ہمارے لئے یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ جب انسانوں کے شہر کی انسانیت مرتی ہے تو بڑی تکلیف ہوتی ہے لیکن جب یہ انسانیت اور آدمیت کو انسانوں کا قتل عام کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں تو پھر مت پوچھئے کیا گزرتا ہے، آپ خود محسوس کر سکتے ہیں۔

بھارتیہ سیاست کی دیوی کے یہ تین چہرے ناخواندگی، درماندگی اور پس ماندگی آج اتنے بھیانک ہو چکے ہیں کہ جو بھی دیکھتا ہے، ڈر جاتا ہے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ یہ دیوی چاہتی ہے کہ پورے دیس کا چہرہ بھی ہمارے چہرے کی طرح بھیانک ہو جائے تاکہ اقتدار کی کرسی اور قانون و انصاف کے مندر کی طرف دیکھنے کی ہمت اور ضرورت نہ پڑے، سب اپنے چہروں کے مقامی اور علاقائی علاج میں مگن رہیں یا پھر آپس میں لگے رہیں۔ آج بھارت کے چند صوبوں میں ووٹ بینک کی ذات برادری اور قبیلے والی سیاست کی جو، آگ بھڑک رہی ہے، اس کی ایک وجہ شیڈول کاسٹ اور شیڈول ٹرائب ایکٹ میں ترمیم کرنے کی افواہ اور غلط فہمی ہے کہ سپریم کورٹ نے ایسا فیصلہ کیا ہے کہ ہندو دلتوں کا ریزرویشن ختم کر دیا جائے۔ اسی ارادہ کے خلاف بھارت بند کی دلت سیاست ہو رہی ہے۔ عجیب تماشہ ہے کہ جب ریزرویشن نہ ملے تب بھارت بند، جب ایک سماج کو ملے اور دوسرے کو نہ ملے تب بھی بھارت بند، اور آج ہندو دلت اِس لئے بھارت بند کر رہا ہے اور سرکاری سامان، بسیں، گاڑیاں، اسٹیشن اور اسپتال توڑ رہے ہیں اور جلا رہے ہیں کیوں کہ ان کے سیاسی آقاؤں نے ان کا سرکاری حق مارنے کی بات کی ہے اور بڑے آقا نے تسلی دی ہے کہ ''قانون کو اپنا کام کرنے دیں، ہم آپ کے ساتھ ناانصافی نہیں ہونے دیں گے۔'' بڑے آقا کی خوبی یہ ہے کہ وہ ''رام کے ہوئے نہ عوام کے'' لیکن دِلوں میں وہی بستے ہیں۔ انھوں نے نومنتخب ممبران پارلیمنٹ کے لئے رہائشی عمارت کے افتتاح کے بعد اپنے ایک خطاب میں کہا کہ ''امبیڈکر کے نام پر سیاست قابل مذمت ہے، ہماری حکومت انہی کے بتائے راستے پر چل رہی ہے۔''

☆☆☆

z.barkati@gmail.com

انوار قرآن

اسلامی شریعت کافر کو گالی دینے کی اجازت دیتی ہے؟

ڈاکٹر انوار احمد خان بغدادی★

ہمارے درمیان گردش کرنے والے نہایت پیچیدہ مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ کیا کفار ومشرکین کو گالی گلوج سے نوازنا درست ہے؟ ایک سنجیدہ اور پڑھالکھا طبقہ تو اِس بات کا قائل قطعاً نہیں ہوسکتا کہ کسی کو گالی گلوج دی جائے، کیوں کہ گالی گلوج فطرتاً ایک عیب ہے اور اسلام جیسا مذہب مہذب بھلا گالی کی اجازت کیسے دے سکتا ہے مگر حیرت ہے کہ ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو کافروں کو گالی دینا جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن سمجھتا ہے، دلیلیں ایسی دیتا ہے گویا گالی دینا سنت ہے اور شریعت کا ایک جز ہے۔(نعوذ باللہ من ذٰلک)

ایک دن واٹس ایپ پر یہ دیکھ کر میری حیرتوں کی انتہا نہ رہی کہ پڑھے لکھے لوگوں میں شمار کیے جانے والے ہمارے ایک عزیز کافروں کو گالی دینے کے تعلق سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ'' کافر کو گالی دینا بہت اچھا ہے''۔ فقیر کی نظر اِس عبارت پر جا کر ٹک گئی۔ دیر تک سوچتا رہا کہ آخر اجتماع ضدین کب سے ممکن ہوگیا؟ گالی اور وہ بھی مستحسن؟ وہ بھی اسلام جیسے آفاقی اور مہذب دین کے پیروکاروں کے نزدیک؟ مستزاد یہ کہ جواز کے ثبوت میں قرآن وحدیث اور اقوال صحابہ پیش کرکے، گویا یہ کہنا کہ گالی تو خدا اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات میں سے ہے، یہ کیسی سنت ہے اور کیسی شریعت سازی؟

معاذ اللہ، ذرا سوچئے کہ اگر سنجیدہ فکر کا مالک کوئی غیر مسلم یہ تجزیہ سن کر گالی گلوج اور بدکلامی کو اسلام کا موقف سمجھ بیٹھے تو اسے یہ نتیجہ نکالنے میں قطعاً دیر نہیں لگے گی کہ اسلام گالی گلوج والا مذہب ہے پھر ایک پڑھا لکھا انسان اس مذہب کو کیوں کر اپنائے گا؟

مگر مولانا محترم کی بات بلا دلیل نہیں تھی وہ بڑی سادگی کے ساتھ بطورِ دلیل خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جملہ امصص بظر اللات پیش فرمارہے تھے۔ یہ جملہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک نہایت انفعالی اور جذباتی کیفیت میں صلح حدیبیہ کے موقع پر اس وقت فرمایا تھا جب عروہ بن مسعود نے نبی اکرم ﷺ سے یہ کہا: إني لأرى أوشابا من الناس خليقا أن يفروا و يدعوك (میں حقیر لوگوں کی ایک جماعت دیکھ رہا ہوں جو ایسے ہیں کہ آپ کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوں) تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غضب ناک ہوگئے اور سختی کے ساتھ اس کو پھٹکارنے کے لئے آپ نے مذکورہ بات کہی۔

میرے خیال سے مولانا اپنے اس موقف میں تنہا نہیں بلکہ ایسے بھولے بھالے لوگوں کی ایک جماعت ہے جو استنباط کے اصول وضوابط سے جاہل ہے یا متجاہل ہے جو دسوں صریح نصوص کو چھوڑ کر چند استثنائی نصوص سے نہایت بھونڈا، غیر منطقی استدلال کرکے اسلام کی شبیہ خراب کرتی ہے۔ایسے حضرات کی بارگاہوں میں اس امید کے ساتھ چند معروضات پیش ہیں کہ'' کاش اتر جائے دل میں ترے میری بات۔''

(۱) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مذکورہ بالا جملہ یا اُس جیسی کوئی اور عبارت، خاص قسم کی انفعالی، جذباتی اور نادر ونایاب موقف کی ترجمانی کرتی ہے جس کو قابل قیاس اور محل استنباط نہیں سمجھنا چاہئے۔

(۲) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس جملہ کو ارشاد فرمانے کے بعد قریب قیاس یہ ہے کہ نبی فطرت سرورکون ومکاں ﷺ نے آپ کو منع کیا ہوگا جیسا کہ اسی طرح کے مواقف پر آپ ﷺ نے کئی صحابہ کو منع فرمایا ہے، بخاری شریف کی وہ حدیث گواہ ہے جس میں آپ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہودیوں کی بدکلامی کا جواب مثل دینے سے منع فرمایا ہے۔

(۳) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی یا فرشتہ نہیں، آپ سے بھی اجتہادی خطا کا امکان ہے۔(۴) مذکورہ بالا جملہ یا اُس جیسے جملوں اور مواقف کی تعداد نہایت قلیل ہے، جن کی روایت بھی تواتر کے ساتھ ثابت نہیں، جب کہ گالی گلوج اور بدکلامی کی مذمت اور حسن اخلاق کی ترغیب میں محکم اور متواتر نصوص بکثرت مروی ہیں، لہٰذا بے شمار محکم ومتواتر نصوص کو چھوڑ کر شاذ ونادر، غیر متواتر، غیر معقول اور غیر فطری نصوص سے استنباط کرنا کہاں کی عقل مندی ہے؟

ہم ان نصوص صریحہ محکمہ اور متواترہ کو پیش کرتے ہیں جن میں ہر انسان بالخصوص ایک مسلمان کو گالی گلوج سے پاک، سلیم الطبع، عالی ظرف، بلند اخلاق اور بردبار ہونے کی ترغیب دی گئی ہے۔

اولاً: قرآن کریم کے اندر اللہ رب العزت نے کئی مقامات پر اعلی ظرفی، بلند اخلاق، زبان و بیان کی پاکیزگی پر آمدہ کرتے ہوئے رہنمائی فرمایا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

(۱) وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْناً (سورہ بقرہ: ۸۳)

ترجمہ: لوگوں سے اچھی بات کہو۔ اس آیت کریمہ میں تمام لوگوں کے ساتھ اچھی بات کہنے کی ترغیب موجود ہے، نہ کہ صرف مسلمانوں کے ساتھ۔ لفظ ''ناس'' فرمایا گیا ہے نہ کہ لفظ ''مسلمین'' یا ''مومنین''، جس سے صاف واضح ہے کہ ہم کو سبھی کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آنا چاہئے۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں چند اقوال ہیں، ان میں سے ایک قول وہ بھی ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔ امام طبری نے اپنی تفسیر میں حضرت عبداللہ ابن عباس کا ایک قول یہ نقل کیا ہے:

لین القول من الأدب الحسن الجميل و الخلق الكريم، وهو مما ارتضاه الله وأحبه. (بات چیت میں نرمی خوب صورت ادب ہے اور اخلاق کریمہ کا حصہ ہے اور اللہ کا پسندیدہ اور محبوب اسلوب ہے) اسی طرح ابو العالیہ سے نقل فرمایا کہ وہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: قولوا للناس معروفا. (لوگوں سے اچھی بات کہو) عطاء بن ابی رباح سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں:

من لقيت من الناس فقل له حسنا من القول. اسی طرح ابو جعفر نے بھی تفسیر فرمائی کہ (جب تم لوگوں میں سے کسی سے ملو تو اس سے اچھی بات کرو) بلکہ امام طبری نے حضرت ابو جعفر اور عطا بن ابی رباح سے ایک قول یہ بھی نقل فرمایا وہ کہتے ہیں: للناس كلهم یعنی تمام لوگوں سے اسی انداز میں بات کرو۔

(تفسیر طبری، ج: ۲ رص: ۲۹۶ و ۲۹۷۔ اور دیکھئے: تفسیر امام بغوی، م: ۵۱۶ھ۔ معالم التنزیل ج: ۱ ص: ۱۱۷)

اپنے وقت کے ایک جلیل القدر مفسر حضرت علامہ امام قرطبی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں چند اقوال ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وهذا كله حض على مكارم الأخلاق، فينبغي للإنسان أن يكون قوله للناس لينا ووجهه منبسطا طلقا مع البر والفاجر، والسني والمبتدع، من غير مداهنة، ومن غير أن يتكلم معه بكلام يظن أنه يرضى مذهبه لأن الله تعالى قال لموسى وهارون: فَقُولا لَهُ قَوْلاً لَيِّناً (طہ: ۴۴) فالقائل ليس بأفضل من موسى و هارون، و الفاجر ليس بأخبث من فرعون، وقد أمرهما الله تعالى باللين معه.

ترجمہ: یہ تمام اقوال خوش اخلاقی کی ترغیب میں ہیں۔ انسان کے لئے ضروری ہے کہ لوگوں کے ساتھ نرم خوئی بشاشت اور کشادہ روئی سے بات کرے، ہر کسی کے ساتھ خواہ نیک ہو یا فاجر، سنی ہو یا بدعتی، ہاں یہ خیال رہے کہ مداہنت نہ ہو، نہ ہی ایسی بات کرے جس سے یہ گمان ہو کہ وہ بدعتی کے مذہب سے راضی ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ہارون سے فرمایا کہ (اس سے نرمی کے ساتھ گفتگو کرو) چنانچہ نہ کوئی قائل حضرت موسیٰ و ہارون سے افضل ہے اور نہ ہی کوئی فاجر فرعون سے بڑا خبیث ہے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو اس کے ساتھ نرم لب و لہجے میں بات کرنے کا حکم دیا ہے۔

جلیل القدر مفسرین کے مذکورہ بالا اقوال کی روشنی میں اس آیت سے دو فائدے ملتے ہیں ایک یہ کہ سب کے ساتھ خوش اسلوبی سے پیش آنا چاہئے، دوسری یہ کہ حسن اخلاق کا برتاؤ محض مسلمانوں کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ یہ عام ہے اس میں مسلم و کافر سبھی شامل ہیں جیسا کہ حضرت عطا ابن رباح اور امام قرطبی کی تفسیر سے واضح ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو خوش کلام اور شیریں مقال بنائے۔

(۲) وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ وَ مَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ (سورہ فصلت: ۳۴، ۳۵)

ترجمہ: نیکی اور بدی برابر نہ ہو جائیں گی، اے سننے والے برائی کو بھلائی سے ٹال، جبھی وہ کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی تھی، ایسا ہو جائے گا جیسا کہ گہرا دوست، یہ دولت نہیں ملتی مگر صابروں کو، اسے نہیں پاتا مگر بڑے نصیب والا۔

دیکھئے یہ آیت کریمہ کتنا واضح پیغام دے رہی ہے کہ اچھائی اور برائی یک ساں نہیں ہو سکتی، نیکی اور بدی میں ہمیشہ فرق رہے گا، خوش

اخلاقی اور بد خلقی کبھی برابر نہیں ہوسکتی، تم برائی کو اچھائی سے ٹالو۔

تو کیا اُس کا مطلب یہ نہیں ہے؟ کہ ہم اچھی باتوں سے کفار و مشرکین کے دل جیتیں، گالی گلوج سے پرہیز کریں کیوں کہ بدزبانی سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور اسلام دین محبت ہے۔

(۳) ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم کذلك زینا لكل امة عملهم ثم الی ربهم مرجعهم فینبئهم بما كانوا یعملون

(سورہ الانعام: ۱۰۸)

ترجمہ: انھیں گالی نہ دو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے زیادتی اور جہالت سے، یوں ہی ہم نے ہر امت کی نگاہ میں اس کے عمل بھلے کر دیے ہیں، پھر انھیں اپنے رب کی طرف پھرنا ہے اور وہ انہیں بتادے گا جو کرتے تھے۔ اس آیت کریمہ میں تو بتوں اور معبودانِ باطل کو بھی گالی دینے سے منع کیا گیا ہے، جو نرے باطل اور سراپا مستحق رد ہیں اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ کفار ردِ عمل کے طور پر معبودِ حقیقی کی شان میں گستاخیاں کر بیٹھیں گے۔ یہاں بتوں کو گالی دینے سے اس لئے نہیں منع کیا گیا کہ وہ قابل احترام ہیں بلکہ اس لئے منع کیا گیا ہے کہ کفار ردِ عمل کے طور پر تمھارے معبودِ حقیقی کو گالی دینے لگیں گے۔ گویا یہ آیت ایک ضابطہ فراہم کر رہی ہے کہ کسی غیر مہذب ردِ عمل سے بچنے کے لئے تدبیر کی جانی چاہئے اور ایسا رد و ابطال کہ جس سے منفعت سے زیادہ نقصانات کا اندیشہ ہو اُس سے بچا جائے۔

ثانیا: احادیث طیبہ میں ایسے نصوص اور مواقف کی کثرت ہے جس میں بدکلامی، بیہودہ گوئی اور ہرزہ سرائی سے منع کیا گیا ہے، ملاحظہ ہوں اس طرح کی چند حدیثیں:

(۱) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: لیس المومن بالطعان، ولا اللعان، ولا الفاحش، ولا البذیء۔

(مومن لعن وطعن کرنے والا، فحش گو، بدزبان نہیں ہوتا)

واضح رہے کہ امام ابن حبان نے یہ حدیث شریف اپنی کتاب صحیح میں اس جگہ روایت فرمائی ہے جہاں ایسے شخص سے اسم ایمان کی نفی کا ذکر ہے جس کے اندر کچھ ایسی خصلتیں پائی جائیں جن کی وجہ سے اس کے ایمان میں کمی پیدا ہو جائے۔ لہٰذا گالی گلوج کمال ایمان میں بڑی رکاوٹ ہے اور ظاہر ہے کہ حدیث شریف میں کوئی استثنا نہیں کہ مومن کسی مومن کو گالی نہ دے ہاں کافر کو گالی دے سکتا ہے بلکہ مومن کی یہ ایک عام صفت ہے کہ گالی گلوج دینا، بدگو اور بدکلام ہونا اُس کے شان ایمانی کے خلاف ہے، اس کی زبان کی پاکیزگی اس کی شان امتیاز ہے۔

(۲) آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

ان الفاحش والتفاحش لیسا من الاسلام فی شيء، وان خیر الناس اسلاما احسنهم اخلاقا۔ (بدکلامی اور فحش گوئی کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، بلا شبہ لوگوں میں سب سے بہترین اسلام والا وہ ہے جو لوگوں میں سب سے بہتر اخلاق کا مالک ہو)

(۳) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں ایک مجلس میں تھا جس میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما تھے، حضرت جابر کہتے ہیں: میرے والد سمرہ میرے آگے بیٹھے ہوئے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فحش اور فحش کا اظہار، دونوں امر اسلام سے خارج ہیں اور سب سے اچھے اسلام والا وہ ہے جس کا اخلاق سب سے عمدہ ہے۔ (مسند امام احمد بن حنبل، مسند البصیین، حدیث جابر بن عبد اللہ: (۲۰۸۳۱)

(۴) روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنه قال لعائشة: لا تكونی فحاشة فإن الفحش لو كان رجلا لكان رجل سوء۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: فحش گو مت ہونا کیوں کہ فحش گوئی اگر کوئی شخص ہوتا تو برا شخص ہوتا۔

(۵) بلکہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدکلامی کو منافقانہ صفت قرار دیا ہے، ارشادِ سرکار ہے: اربع من كن فيه كان منافقا خالصا: اذا حدث كذب، واذا وعد اخلف، واذا عاهد غدر، واذا خاصم فجر، ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها۔ جس کے اندر چار خصلتیں پائی جائیں وہ خالص منافق ہے: جب بات کرے جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے، جب کسی کے ساتھ عہد کرے تو دھوکہ دے، جب کسی کے ساتھ جھگڑا کرے تو فسق و فجور بکے، اِن خصلتوں میں جس کے پاس ایک خصلت بھی ہوگی تو منافق یہاں تک اسے چھوڑ نہ دے۔

ان صاف صاف حدیثوں کے بعد بھی اگر کوئی کسی قسم کی گالی گلوج کی حمایت کرتا ہے تو یہ اس کا عناد ہی ہوگا ورنہ تو حدیث شریف

میں ایک مومن کو نرم خواونٹ کہا گیا ہے۔ان احادیث کے علاوہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان مواقف اور حالات وکوائف پر نظر ڈالئے اور دیکھئے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس طرح بردباری، تواضع وانکساری اور وسعت ظرفی سے کام لیتے ہوئے لوگوں کو اچھائی کی طرف رہنمائی فرمائی ہے، نہ خود کبھی گالی دی ہے اور نہ ہی کسی کو گالی گلوچ دینے کی کبھی اجازت دی ہے بلکہ ہمیشہ ادفع السیئة بالحسنة کی تصویر بنے رہے اور اپنے اصحاب اور ماننے والوں کو اسی کی تصویر بنے رہنے کی ہدایت فرماتے رہے۔دیکھئے درج ذیل واقعات اور عبرت پکڑئے:

(۱) کچھ یہودی آقا رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں جب آتے تو ''السلام علیکم'' کی بجائے''السام علیکم'' عمداً کہا کرتے ،جس کا مطلب تھا تمھاری موت ہو یا تمھاری ہلاکت ہو۔اس بیہودگی پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نہ رہا جا سکا تو آپ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: **وعلیکم السام واللعنه والغضب** (تمھاری بھی ہلاکت ہو،تم پر لعنت اور غضب ہو) یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: **مهلا يا عائشة فان الله يحب الرفق في الامر كله** ''اے عائشہ! ذرا نرمی سے کام لو، کیوں کہ اللہ ہر معاملے میں نرمی پسند فرماتا ہے۔اس پر حضرت عائشہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ نے سنا نہیں کہ انھوں نے کیا کہا ہے؟ تو حضور رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ کیا تم نے سنا نہیں کہ میں نے **وعلیکم** سے جواب دے دیا ہے۔(صحیح البخاری، باب الرفق فی الامر کلہ)

(۲) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصف بیان کرتے فرماتے ہیں: **كان النبي ﷺ أشد حياء من العذراء في خدرها فإذا رأى شيئا يكرهه عرفناه في وجهه**۔ (دیکھئے: صحیح البخاری، باب من لم یواجه الناس بالعتاب)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پردے میں بیٹھی دوشیزہ سے زیادہ شرم فرماتے تھے، جب کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھتے تو ہم آپ کے چہرے سے پہچان لیتے تھے، یعنی اپنی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں فرماتے تھے البتہ آپ کے چہرہ مبارک پر ناگواری کے اثرات ہویدا ہو جاتے جس سے ہم لوگ سمجھ جاتے کہ یہ چیز آپ کو پسند نہیں۔

(۳) حضرت زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے والے واقعے کو اگر سمجھ لیا جائے تو کوئی یہ رائے قائم کرنے کی جرات کبھی نہیں کر سکتا ہے کہ کفار و مشرکین کو گالی دینا بہتر ہے۔مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زید بن سعنہ جو کہ ایک یہودی عالم تھے، کے مقروض تھے،ایک دن زید بن سعنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور وقت سے پہلے قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور آپ کے اجداد کو گالیاں دینے لگے، یہ دیکھ کر حضرت عمر نے زید کی گردن مارنے کی اجازت چاہی، آقائے رحمت نے مسکراتے فرمایا اے عمر! مجھے اور ان (زید) کو تمھاری طرف سے کسی اور چیز کی ضرورت ہے، تمہیں چاہیے کہ مجھے اچھی طرح قرض کی ادائیگی کا حکم دو، اور ان کو حسن طلب کا حکم دو۔اے عمر! انھیں لے جاؤ، ان کا حق ادا کر دو، اور ڈرانے دھمکانے کے عوض بیس صاع کھجور بڑھا کر دو۔

حضرت زید بن سعنہ کہتے ہیں عمر مجھے لے گئے اور میرا حق بھی دیا اور بیس صاع کھجور بڑھا کر دینے لگے، تو میں نے کہا: یہ کیا ہے؟ حضرت عمر نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے کہ میں نے تم کو ڈرایا ہے اس کے عوض بڑھا کر دوں۔میں نے کہا: اے عمر مجھے پہچانتے ہو؟ کہنے لگے کہ نہیں، بتاؤ تم کون ہو؟ میں نے کہا کہ میں زید بن سعنہ ہوں۔کہنے لگے یہودیوں کے بڑے عالم؟ کہا: ہاں۔حضرت عمر نے کہا تو تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایسا کیوں کیا، اس طرح کی بات کیوں کہی؟ میں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ کے چہرے میں نبوت کی تمام علامتیں دیکھ لی ہیں سوائے دو چیزوں کے، ایک یہ کہ نبی کی بردباری جہالت پر سبقت لے جائے گی اور دوسرے یہ کہ مخالف کی شدت جہالت سے نبی کی بردباری میں مزید اضافہ ہوگا۔اب میں نے یہ دونوں علامتیں بھی دیکھ لی ہیں، اے عمر گواہ ہو جاؤ کہ میں اللہ کو اپنا رب مانتا ہوں، اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی۔اس طرح حضرت عمر اور زید بن سعنہ دونوں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچے اور حضرت زید نے کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کیا۔

(صحیح ابن حبان، المعجم الکبیر، سنن البیهقی)

(۴) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی برائی کرتا اور آپ کو وہ بات پہنچ جاتی تو آپ یہ نہیں فرماتے کہ فلاں ایسا کہتا ہے بلکہ فرماتے کہ ان قوموں کا کیا ہوگا جو اِس اِس طرح کہتے ہیں۔(سنن ابوداود، باب فی حسن العشرۃ)

ذرا مصطفی جان رحمت کا اسوہ حسنہ تو دیکھیے کہ گالی گلوچ دینے اور برا بھلا کہنے والے کو بھی اس انداز میں یاد فرماتے کہ اسے تکلیف بھی نہ ہو اور اس کی اصلاح بھی ہو جائے۔مذکورہ بالا احادیث شریفہ سے درج

ذیل چند باتوں کی صاف وضاحت ہوجاتی ہے:
(الف) گالی وگلوج کا جواب گالی گلوج سے نہیں دیا جائے گا، خواہ گالی دینے والا کافر ہی کیوں نہ ہو بلکہ گالیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے خوش اسلوبی کا مظاہرہ کیا جائے گا۔(ب) کسی کی بے ہودہ اور گستاخانہ حرکتوں کا جواب دیا جانا، اگر ضروری ہو تو نہایت سنجیدہ اور گالی گلوج سے پاک اسلوب اپنایا جائے جیسا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت مختصر کلمہ سے یہودیوں کی بدتمیزی کا اس طرح جواب دیا کہ زبان آلودہ بھی نہیں ہوئی اور جواب بھی بن گیا۔(ج) باستثنائے مجرم، فتنہ گر اور قتل وغارت گری مچانے والے کافروں کے عام غیر مسلموں کے ساتھ نرم رویہ اپنایا جائے۔ ہر جگہ یہ رویہ منافقت نہیں کہلاتا بلکہ دعوتی اسلوب کا یہی تقاضا ہے جیسا کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اعلیٰ ظرفی کا برتاؤ کر کے ایک پر مغز دعوتی پیغام دیا ہے۔

یاد رہے کہ اسلام اپنی صاف ستھری شبیہ اور اعلیٰ کردار کی وجہ سے جانا پہچانا جاتا ہے، کم سے کم وقت میں دنیا کے بیشتر حصوں پر چھا جانے والے اس مذہب پر اگر گالی گلوج اور بدخلقی کا ہلکا سا، سایہ بھی ہوتا تو یہ مذہب اتنی تیزی کے ساتھ پوری دنیا میں نہیں پھیل پاتا۔ لہٰذا ہر مسلمان بالخصوص علما اور مبلغین کے لئے ضروری ہے کہ گالی گلوج، بدزبانی اور بدخلقی سے بچیں، خصم کے ساتھ بھی خوش اسلوبی سے پیش آئیں، یہی اسلام ہے اور یہی وقت کا تقاضا ہے۔

☆☆☆

☆ پیش کش: مجلس دعوت

☆ مدیر اعلیٰ ماہ نامہ المشاھد (عربی) لکھنؤ 8008711187

انوار حدیث

شادی کا رِشتہ نبی کی سنت

شیخ اسد اللہ شاہی★

نکاح خدا تعالیٰ کی عظیم نعمتوں سے ایک نعمت ہے۔اس کی اہمیت اور منزلت کو سمجھنے کے لیے بس اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ایک ایسی عبادت ہے جس کی شروعات ابتدائے کائنات کے ساتھ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے ہوئی اور اب تک یہ جاری ہے۔بس اتنا ہی نہیں بلکہ یہ پاکیزہ عبادت دائمی جنت میں بھی باقی رہے گی اور جنتی جوڑوں کی شادیاں بھی کی جائیں گی، جہاں جنتی خوراک، جنتی پوشاک اور رب ذوالجلال کی لامتناہی رحمتوں کی بارشوں کا نزول ہوگا اور ہر کوئی خوش وخرم ہوگا۔

سرور کائنات حضرت محمد مصطفی ﷺ نے شادی کے رشتہ کو اپنی سنت بتائی اور فرمایا: اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ فَمَنْ لَّمْ يَعْمَلْ بِسُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ۔ (سنن ابن ماجہ) کہ نکاح میری سنت میں سے ہے ،پس جس نے میری سنت پر عمل نہ کیا وہ مجھ سے نہیں۔

پھر نکاح اس لیے بھی بڑی منصبت کا حامل ہے کیونکہ اس کی وجہ سے شوہر اور بیوی اپنی نسل کو آگے بڑھاتے اور پروان چڑھاتے ہیں، ان کی اولادِ صالح سے خدا تعالیٰ کے ذکر کو تسلسل ملتا ہے اور اس کی عبادت اور پرستش قائم رہتی ہے۔اولاد کی ایک ایک نیکی کا ثواب والدین کے سر جاتا ہے۔نکاح کا اولین مقصد یہ بھی ہے کہ عورت وآدمی اپنی پاک دامنی برقرار رکھ سکیں اور نفسیاتی خواہشات کے ہتھے چڑھ کر اپنی عزت وآبرو کو پامال نہ کردیں اور نہ ہی شیطان ملعون کے قبضہ میں آکر فعل بد کے شکنجے میں گرفتار ہوکر رہ جائیں۔

ان تمام حقیقتوں کے باوجود اک وبائے ناسور اِس دورِ حاضر میں یہ پھیلی ہوئی ہے کہ شادی کے وقت لوگ کاروباری ذہن کا استعمال کیا کرتے ہیں۔ ہر کوئی چاہتا ہے کہ میری بیٹی کی شادی میرے خاندان میں موجود فلاں شخص سے ہو تو وہ خوش رہے گی، اُس امیر زادہ سے ہو جن کے گھر دولت کی فراوانی ہے تو وہ خوش رہے گی اور والدین کی سوچ یہ ہوتی ہے کہ خواہی نہ خواہی ہماری بیٹی ہاں کر ہی دے اور اپنی پسند اور آرزوؤں کا جہاں دل میں ہی سمیٹ کر رکھ لے۔

یہاں ایک بات اور ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ پیسوں اور روپیوں کی زیادتی اور کثرت سے سکون اور اطمینان بفرض محال ہی کسی کو مل پاتا ہے اور بہت کم ہی ایسے لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے دست کرم کے بے حجاب تماشوں سے دولت کے ساتھ عیش وآرام بھی میسّر کرتا ہے، ورنہ زمانہ کی تلخیوں سے آگاہ ہر اک انسان کو اس بات کا پورا علم ہے کہ جتنے بھی امیر زادہ ہوتے ہیں انہیں کبھی کاروبار کی پریشانی، کبھی صحت کی پریشانی یا کبھی خاندانی پریشانیاں جکڑی ہوئی ہوتی ہیں اور وہ خدا تعالیٰ سے زبان حال سے یہ کہہ رہے ہوتے ہیں کہ اے خدا بھلے میری ساری دولت واپس لے لے مگر مجھے سکون کی زندگی عنایت فرما۔اس کے برعکس کتنے غریب ایسے بھی ہیں جن کے پاس مال ودولت بقدرِ عیش ہی ہیں لیکن ان کی زندگی پرسکون اور معتدل ہوا کرتی ہے اور ان کا گھر جنت کا ٹکڑا بنا ہوا ہوتا ہے۔اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بات پیسوں اور روپیوں کے زیادتی کی نہیں بلکہ خداداد برکتوں کی ہے اور مال و دولت کے ساتھ کوئی بھی سکون سے نہیں رہ سکتا کیونکہ لالچ اسے دن بدن زیادتی کی طرف آمادہ کرتی ہے اور وہ ہر وقت اس سوچ میں رہتا ہے کہ کس طرح سے میری دولت دگنی ہو جائے اور کس طرح میں اور امیر و دولت مند ہو جاؤں۔

اس کا ذکر خود حضور اکرم ﷺ نے کیا ہے: لو ان لابن آدم وادیامن ذهب لاحب ان يكون له واديان (صحیح البخاری) کہ اگر انسان کو سونے کی ایک وادی میسر ہو جائے پھر بھی وہ یہ چاہے گا کہ اسے ایک اور مل جائے بلکہ دوسری روایت میں آتا ہے: لو كان لابن آدم واديان من مال لابتغى ثالثا۔ (صحیح البخاری) کہ اگر انسان کو مال کی دو وادیاں بھی نصیب ہو جائیں تو وہ تیسری کی خواہش کرے گا۔

آج کے دور میں لڑکیوں کی شادیاں بس اس بات پر موقوف ہوتی ہیں کہ لڑکا پیسے زیادہ کماتا ہے یا نہیں اور لڑکے والے دولت

مند ہیں یا نہیں، پھر اگر یہ خیال مثبت ثابت ہوتا ہے تو لڑکی کی شادی بغیر اس کے مشورے کے طے کر دی جاتی ہے اور لڑکی آنکھوں میں آنسوں اور ہونٹوں پر بناوٹی مسکراہٹ لیے اس مرحلہ سے گزر بھی جاتی ہے۔ اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ شادی کے بعد شوہر اور بیوی میں نا اتفاقی پیدا ہو جاتی ہے اور شوہر عورت کی صورت سے بے زار ہو جاتا ہے۔

مرد تو دوسری شادی کر لے گا لیکن بے چاری عورت کیا کرے، اس کی تو زندگی جہنم بن کر رہ جاتی ہے اور ساتھ ہی گھر والوں کی بھی نیندیں اڑ جاتی ہیں۔ مسئلہ اتنا سنگین ہو جاتا ہے کہ طلاق کی نوبت آ جاتی ہے اور اس طرح کے مسئلوں سے ہی اسلام سے پرخاش رکھنے والوں کو یہ موقع ملتا ہے کہ اسلامی شریعت اور اس کے قوانین کے خلاف زبان درازیاں کریں اور شریعت کو غیر مہذب قرار دے کر اُسے بدلنے کی کوشش میں یک جٹ ہو جائیں۔ اگر خدا کے فضل سے یہ سب نہیں ہوتا ہے پھر بھی شوہر اور بیوی کے درمیان وہ محبت نہیں ہوتی جو صحیح معنوں میں ازدواجی زندگی میں ہونی چاہیے، معاشرہ انہیں ذلت و رسوائی کی نظر سے دیکھتا ہے اور اس کا اثر اُن کی اولاد پر بھی برا پڑتا ہے۔ یہ وقت کاروباری اور خاندانی رشتہ کی پاسداری کا نہیں بلکہ حکمت عملی کا ہونا چاہیے۔

یہ زمانہ جدید ٹکنالوجیوں سے لیس ہے اور موبائل و انٹرنیٹ نے لوگوں کے ذہن و دماغ پر اپنا جادو چلا رکھا ہے۔ ہزار احتیاط کے باوجود شیطانی وسوسے دل میں کھٹک پیدا کر دیتے اور معصوم لڑکیاں سوشل سائٹس (social sites) پر کسی شخص کو پسند کرنے لگتی ہیں یا پھر زمانہ کے بدچلن دستوروں میں اک دستور، محبت کا بھی عام ہو چکا ہے اور لڑکیاں بھی کسی پر فریفتہ ہو جایا کرتی ہیں پھر اس حالت میں جب ان کی شادی بغیر اُن کی مرضی جانے کرا دی جاتی ہے اور ان کی خواہشوں کا پاس نہیں رکھا جاتا تو بعد کی ازدواجی زندگی کے حالات بد سے بدتر ہو جاتے ہیں۔

والدین کی تو حتی الامکان کوشش یہی رہتی ہے کہ ان کی بیٹی جہاں بھی رہے خوش رہے پر اُن کی خوشی کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ ان کے دلوں میں جھانک کر دیکھا جائے اور ان سے اصرار کر کے پوچھ تاچھ کی جائے۔ اگر اللہ کے فضل سے دل میں کوئی نیک اور صالح شخص بسا ہو تو پھر کوشش کریں کہ بیٹی کی پسند کو ترجیح دی جائے اور اس کی خواہش اور خوشی کو مقدم رکھا جائے تاکہ گھر سے جانے کے بعد بھی وہ سسرال میں ہنسی خوشی زندگی بسر کر سکے۔ خود حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس کا اخلاق اور جس کا دین تمہیں پسند آ جائے اس سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دو“ یعنی دیکھنے والی چیزیں حضور نے دین اور اخلاق فرمائی نہ کہ رشتہ داری، دولت اور شہرت فرمائی۔

خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہر کسی کی زندگی پرسکون ہو۔ اگر آپ سرپرست ہیں اور خدا نے آپ کو بیٹی جیسا انمول تحفہ بھی دیا ہے تو ان باتوں پر ذرا غور کریں یا پھر یہ ساری باتیں دوسروں تک پہنچائیں تاکہ شادی جیسے سنگین مسئلہ میں لوگ اندھے پن سے کام نہ لیں اور لڑکیوں کی زندگی کا فیصلہ سوچ سمجھ کر کریں۔ اللہ توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆

☆ ریسرچ اسکالر، جامعہ دار الہدیٰ اسلامیہ، چماڈ، مالاپورم (کیرالا)
asadullahshahi1358@gmail.com

تعزیتی نشست برائے محمودِ ملت

۲۴ر فروری ۲۰۱۸ء کو شہزادۂ برہان ملت، مفتی اعظم مدھیہ پردیش حضرت الحاج الشاہ مفتی محمد محمود رضا برہانی قادری دامت برکاتہم العالیہ کا وصال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وصال کی خبر موصول ہونے پر شہر کانپور کے دینی علمی عصری ادارہ دار العلوم ضیائے مصطفیٰ میں ایصال ثواب اور تعزیت کی محفل منعقد ہوئی جس کی صدارت قاری سید ابوسعید برکاتی صاحب قبلہ نے فرمائی۔ اساتذہ دار العلوم نے حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے وصال کو قوم وملت کے لیے مذہبی خسارہ بتایا۔ مولانا محمد تیسیر الدین تحسین رضا قادری رفاعی نے کہا کہ حضرت مفتی صاحب خلیفہ اعلیٰ حضرت، حضرت علامہ مفتی برہان الحق قادری جبل پوری علیہ الرحمہ کے صاحبزادے تھے۔ مفتی صاحب علیہ الرحمہ سنت وشریعت پر کاربند رہتے تھے۔ صوم وصلوٰۃ پر پابند رہ کر احباب ومریدین کو سختی کے ساتھ پابند رہنے کی تاکید فرمایا کرتے۔ حضرت کے حق میں بلندیٔ درجات ومغفرت دعا کی گئی۔ شرکائے تعزیتی نشست میں مولانا عبد اللطیف اشرفی، مولانا محمد یعقوب رحمانی، مولانا ابوظفر، وغیرہ شامل ہیں۔

اطلاع: خیر الدین، دار العلوم ضیائے مصطفیٰ، کانپور، 9794045786

شرعی احکام

کرسی پر نماز کی شرعی حیثیت اور مساجد کے ذمے داران

(مفتی) محمد عبدالقدیر ناگپوری★

اکثر مساجد میں کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا رواج بڑھتا جارہا ہے اور اس بات کو لے کر اکثر بحث ومباحثہ ہوتا رہتا ہے۔کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کچھ مصلیان کا یہ کہنا ہوتا ہے کہ ہمیں ڈاکٹر نے جھکنے کے سے منع کیا ہے یا کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا مشورہ دیا ہے۔

کیا محض ڈاکٹر کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھی جاسکتی ہے یا اُس کے لیے مزید شرائط کی ضرورت ہے؟

نماز کے لیے ٹیک والی (آرام دہ) کرسی کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

کرسی پر نماز پڑھنے والوں میں کوئی کھڑے رہنے پر قادر ہے تو رکوع پر قادر نہیں، کوئی قیام ورکوع دونوں پر قادر ہے تو سجدہ پر قادر نہیں۔قدرت نہ ہونے سے کیا مراد لی جائے اور جو جس رکن پر قادر نہیں اس رکن کی ادائیگی کیسے کرے؟

کہتے ہیں کہ ہمیں تکلیف ہوتی ہے، کیا چھوٹی چھوٹی تکلیفوں پر کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھی جاسکتی ہے؟ کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی کیا صورتیں ہوسکتی ہیں؟

آج کل بعض مساجد میں اس قسم کے مریضوں کے لیے ایک خاص قسم کی کرسی ٹیبل بیٹھنے اور سجدہ کرنے کے لیے بنائی گئی ہے۔ان کرسیوں کو دوستونوں کے درمیان (جہاں جگہ تنگ ہو) نصب کیا جاتا ہے جن کے دائیں بائیں اور کوئی مقتدی نہیں رہتا۔کیا یہ کرسی ٹیبل درمیان صف میں لگائی جاسکتی ہے؟

جمعہ کے دن مسجدیں عام طور پر بھر جاتی ہیں، ایسی صورت میں خصوصی طور پر جمعہ کے روز یا نمازِ جمعہ میں ایسے لوگ کہاں کرسی لگائیں؟

اکثر یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے والے لوگوں میں سے اکثر گاڑی بھی چلا لیتے ہیں، پیدل بھی چل لیتے ہیں، گھنٹوں کھڑے بھی رہ لیتے ہیں۔کیا اِس قسم کے لوگوں کو کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کے لیے معذور سمجھا جائے گا؟

مسجد میں بڑھتی ہوئی کرسیوں کی تعداد سے بعض لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ تو عیسائی کلچر سے مشابہت ہے کیوں کہ ان کے عبادت خانوں میں جس طرح سے کرسیاں عام ہیں، یہ چیز ہمارے یہاں بھی ہو رہی ہے، یہ خیال کہاں تک درست ہے؟

اس کے علاوہ اس تعلق سے جو بھی مزید احکام ہوں وہ تفصیلاً عنایت فرمادیں تاکہ مصلیان کو بتادیا جائے کہ وہ اپنی نمازوں کو درست کرلیں۔تفصیلاً جواب عنایت فرمائیں۔بینوا۔

فقط: سید ابراہیم بادشاہ (صدر نوری مسجد) اننت ناگر، ناگپور

باسمہ تعالیٰ، بعون الملک الوہاب

الجواب: درصورت مسئولہ کرسی، اسٹول، صوفہ، لوڈ وغیرہ جیسی اونچی شے پر بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں۔مریض ومعذور زمین پر نماز ادا کرے جب کہ اونچی شے پر بیٹھ کر نماز ادا کرنے کی حضور علیہ السلام نے ممانعت فرمائی ہے۔حدیث شریف:

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم عَادَ مریضا فَرَاٰہ صَلّٰی وِسَادَۃً فاخذھا فرمیٰ بھا فاخذ عوداً لیصلی علیہ فاخذہ فرمیٰ بہ وقال صلّ علی الارض ان استطعت والّا فاومِ ایماءً واجعل سجودك اخفض من رکوعك (رواہ البزار فی مسندہ ورواہ الطبرانی فی معجمہ عن عبداللہ بن عمرہ۔)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مریض کی عیادت کو تشریف لے گئے۔آپ نے دیکھا کہ وہ لوڈ (تکیہ) پر بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہے، آپ نے اسے لے کر پھینک دیا پھر اس نے لکڑی (کندہ) لیا تاکہ اس پر بیٹھ کر نماز پڑھے، حضور علیہ السلام نے اسے بھی لے کر پھینک دیا۔حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ زمین پر نماز پڑھے اگر استطاعت ہو، ورنہ اشارہ کرے اور سجدہ کو رکوع سے پست کرے۔

دینی مسائل سے ناواقف ڈاکٹر اکثر کرسی اور کموڈ کا مشورہ دیتے ہیں۔ڈاکٹروں کے ہر مشورہ پر عمل کرنا جائز نہیں۔چھوٹی چھوٹی تکلیفوں والا معذور نہیں ہوتا۔مریض وہ ہے جو ارکان نماز کی ادائیگی سے قاصر

ہو۔آج کل عموماً یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ جہاں ذرا سا بخار آیا، یا خفیف اور ہلکی سی تکلیف ہوئی تو بیٹھ کر نماز شروع کر دی، ایسی نمازیں نہیں ہوتیں، اعادہ فرض۔(بہار شریعت ص ۵۱۱) نیکی برباد، گناہ لازم۔

معذور سے متعلق دوسری جگہ حدیث شریف میں ہے:

عن عمران بن حصین قال کانت بی بواسیر فسالتُ ﷺ عن الصلوٰۃ فقال صل قائماً فان لم فقاعداً فان لّم تستطع فعلی جنب(رواہ البخاری وابو داؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ) وزاد النسائی فان لم تستطع فمستلقیًا لا یکلف اللہ نفساً اِلَّا وُسعہا۔

ترجمہ: حدیث حضرت عمران بن حصین سے مروی ہے کہ وہ بیمار تھے، حضور اقدس ﷺ سے نماز کے بارے میں دریافت کیا، فرمایا کھڑے ہو کر پڑھو، اگر استطاعت نہ ہو تو بیٹھ کر اور اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو لیٹ کر اللہ تعالیٰ کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا مگر اتنی کہ اس کی وسعت ہو۔

مندرجہ بالا احادیث کریمہ کی روشنی میں کسی بھی اونچی چیز مثلاً کرسی، اسٹول وغیرہ پر بیٹھ کر اشارہ سے رکوع وسجدہ پر نماز درست نہیں، نماز زمین پر بیٹھ کر ہی ادا کرے۔ چاہے جس طرح بیٹھے۔ بیٹھنے کے لیے کوئی پابندی نہیں۔ چاہے دوزانو بیٹھے یا چار زانو (پالتی مار کر) بیٹھے جس طرح ٹھیک لگے اور جو آسان ہو، اختیار کرے۔(عالمگیری)

اگر اپنے آپ بیٹھ نہیں سکتا مگر لڑکا یا خادم یا کوئی اجنبی شخص وہاں ہے جو کہ بیٹھا دے گا تو بیٹھ کر نماز پڑھنا ضروری ہے اور اگر کوئی بیٹھا نہیں سکتا تو لوڈ یا دیوار یا کسی شخص پر ٹیک لگا کر پڑھے۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو لیٹ کر پڑھے۔ اگر بیٹھ کر پڑھنا ممکن ہو تو ایسی صورت میں لیٹ کر نماز نہ ہوگی۔(عالمگیری، درمختار، ردالمحتار)

اسی طرح مریض کھڑا ہو سکتا ہے مگر رکوع وسجود نہیں کر سکتا، تو بہتر ہے کہ اس صورت میں کھڑے ہو کر نماز پڑھے، اگر رکوع نہ کر سکتا ہو تو رکوع کے لیے اشارہ کرے اور زمین پر بیٹھ کر سجدہ کے لیے اشارہ کرے۔ (عالمگیری) اگر کوئی اونچی سخت چیز مثلاً پتھر یا پکڑی وغیرہ زمین پر رکھی ہوئی ہو، اُس پر سجدہ کیا، رکوع کے لیے صرف اشارہ نہ ہو بلکہ پیٹھ بھی جھکائی تو صحیح ہے بشرطیکہ اس کی اونچائی بارہ انگل (نوانچ) سے زائد نہ ہو۔(درمختار)

اس قسم کی خاص کرسی ٹیبل، جن کی اگلی جانب تختہ لگا ہوتا ہے، اس پر سجدہ کرنے سے حقیقتاً سجدہ ادا نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ بھی سجدہ کا اشارہ ہے، سجدہ نہیں۔ اس پر نہ نماز ہوگی نہ سجدہ ہوگا، ان کرسیوں کی وجہ سے قطع صف بھی ہوگی۔ ایسی عام وخاص کرسی، اسٹول سے صف سیدھی اور برابر نہیں ہوتی، نہ کندھے سے کندھا ملتا ہے اور صف میں کشادگی آجاتی ہے کرسی واسٹول پر نماز پڑھنے والے سبھی نماز سوا سے ڈیڑھ فٹ صف سے آگے ہو جاتے ہیں جب کہ صفوں کا سیدھا کرنا واجب ہے۔ اسی طرح کرسی والا اوپر بیٹھا ہوتا ہے اور تمام نمازی نیچے۔ اسی طرح عام لوگ مسجد میں قرآن شریف اور پنج سورے نیچے بیٹھ کر پڑھتے ہیں اور کرسی والا اوپر بیٹھتا ہے۔ اکثر کرسی والے نماز کے بعد قبلہ کی طرف پیر پھیلا دیتے ہیں جو ناجائز ہے۔ اس سے توہین اور بے حرمتی بھی لازم آتی ہے۔ اکثر کرسی سے سر ٹکرا جاتا ہے، سجدہ میں نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے، چوٹ بھی لگ جاتی ہے۔ اس قسم کی بہت سی قباحتیں کرسی کے استعمال سے ہوتی ہیں، جبکہ صفوں کا سیدھا کرنا مونڈھے سے مونڈھا، ایڑی سے ایڑی ملانا اور سینے کا برابر ہونا سنت مؤکدہ ہے۔ اس کے ترک سے نماز میں نقصان آتا ہے اور ثواب میں بھی کمی آتی ہے۔

ایسا فعل جس سے نماز میں نقص یا کمی آئے وہ عمل اللہ کے لیے ہرگز نہ کرے اور اپنی نمازیں برباد ہونے سے بچائیں۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے:

قال رسول اللہ ﷺ اقیموا الصّفوف،وحاذوا بین المناکب و سدّ و الخللَ و لیّنوا بایدیکم لاتذروا فرجات الشیطان ومن وَصَل صفا وصلہ اللہ تعالیٰ ومَن قَطَعَ صفا قطعہ۔ ترجمہ حدیث: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا صفوں کو سیدھی کرو، مونڈھوں کو مونڈھوں سے ملا دو، خالی جگہ کو بند کرو، اپنے بھائیوں کے لیے اپنے ہاتھوں کو نرم کر دو، شیطان کے لیے گنجائش نہ چھوڑو جس نے صف کو ملایا، اللہ تعالیٰ اسے ملائے گا اور جس نے صف کو کاٹا اللہ تعالیٰ کی رحمت اس سے قطع تعلق کر لے گی۔

صفوں کو سیدھا کرنے اور صف بندی سے متعلق بے شمار احادیث کریمہ ہیں۔ اختصاراً ہم صرف ایک حدیث شریف کو نقل کرتے ہیں:

قال سَمِعتُ النُّعمان بن بشیرٍ یقول کان رسول اللہ ﷺ یستوی صفوفنا حتی کانّما یستوی بہا القداح حتی رای انا قد عقلنا عنہ،ثم خرج یوماً فقاما حتی کاد یکبّر فرای رجلاً بادیاً صدرہ من الصف فقال عباد اللہ

لتسوّن صفوفکم او لیخالفن اللہ بین وجوھکم۔
(صحیح مسلم شریف، جلد ۱۸۲)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفیں تیر کی طرح سیدھی کرتے۔ یہاں تک کہ خیال فرمایا حضور علیہ السلام نے کہ صفوں کی درستگی کو ہم صحابہ کرام نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے پھر ایک دن حضور علیہ السلام تشریف لائے اور کھڑے ہوئے اور قریب تھا کہ تکبیر کہیں کہ ایک شخص کا سینہ صف سے باہر نکلا دیکھا۔ فرمایا کہ اے اللہ کے بندو! صفیں برابر کراؤ یا تمہارے اندر اللہ تعالیٰ اختلاف ڈال دے گا۔

بخاری شریف نے بھی اس حدیث کے جزء اخیر کو روایت کیا۔

کرسی وغیرہ پر نماز ادا کرنا مندرجہ بالا احادیث کریمہ کے خلاف ہے۔ لہٰذا زمین پر ہی نماز ادا کریں اور اپنی نمازوں کو برباد ہونے سے بچائیں کیوں کہ روز محشر سب سے اول نماز کے بارے میں ہی پوچھا جائے گا۔ اگر نقص یا کمی رہی تو مشکل ہوگی۔

جمعہ ہو یا عیدین یا عام دن جو زمین پر بیٹھ کر رکوع وسجدہ کر سکتا ہے اگر وہ کرسی پر پیر لٹکا کر بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھے گا تو اُس کی نماز تو ہوگی ہی نہیں بلکہ کرسی پر بیٹھ کر پڑھی گئی تمام نمازوں کا اعادہ (لوٹانا) واجب ہوگا۔ ایسا شخص جب صف کے درمیان کرسی رکھے گا تو اس سے ضرور قطع صف لازم آئے گی اور یہ گناہ بھی ہے جو نماز اس پر راضی ہوں وہ بھی گناہ گار ہیں۔

اس لئے امام مسجد و کمیٹی اور دیگر نمازیوں پر فرض ہے کہ اپنی قدرت وطاقت کے مطابق ایسے شخص کو درمیان صف کرسی ہرگز نہ رکھنے دیں۔

اسی طرح غیر معذور شرعی جو بیٹھ کر نماز پڑھے گا، قطع صف لازم آئے گی۔ اسی طرح کرسی پر نماز پڑھنا اور درمیانی صف میں کرسی لگانا سخت ناجائز ہے اور قطع صف کے علاوہ کشیدگی اور انتشار وفتنہ کا سبب ہے: قال اللہ تعالیٰ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (سورہ بقرہ آیت ۱۹۱) کہ ان کا فتنہ زیادہ سخت ہے مار ڈالنے سے لہٰذا اِس کرسی کو جو کہ فتنہ کا سبب ہے فوراً مسجد سے دور کیا جائے اور اس کرسی وٹیبل وغیرہ کو فوراً ہٹا دیں نہ کرسی ہوگی نہ اس پر لوگ نماز پڑھیں گے اور یہ فتنہ عظیم ہمیشہ کے لیے دور ہو جائے گا۔

لوگ گاڑی چلا لیتے ہیں اور پیدل بھی چل لیتے ہیں اور گھنٹوں کھڑے بھی رہ لیتے ہیں، ایسے لوگ معذور نہیں۔ انہیں کرسی کے استعمال سے منع کیا جائے۔ اگر ایسے غیر معذور لوگ ان مسائل وفتویٰ کو نہ مانیں یا توہین کریں تو وہ سب کفر (انکارِ حکم) کے مرتکب ہوں گے۔

مسجد میں بڑھتی ہوئی کرسیوں کی تعداد کے ذمہ دار منتظمہ کمیٹی بھی ہے جب کہ سب جانتے ہیں کہ یہ غیر اسلامی طریقہ اور عیسائیوں کی تہذیب ہے اور فتنہ عظیم کا سبب بھی ہے۔ اس فتنہ وانتشار کو مسجد سے فوراً دور کرنا تمام ائمہ کرام ومتولیان مسجد اور تمام نمازیوں پر واجب وضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو احکام شرعیہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆

☆مفتی جامعہ عربیہ اسلامیہ ناگپور، قاضی عدالت شرعیہ مہاراشٹر

فیض آباد میں عالمات خواتین کی تحفظ شریعت وتعلیم نسواں کانفرنس

۲۹ مارچ ۲۰۱۸ء جامعہ فاطمۃ الزہرا، چندرہ مئو، فیض آباد میں تحفظ شریعت وتعلیم نسواں کانفرنس کا انعقاد کیا گیا جس میں عالمات ومعلمات نے شریعت میں کسی طرح کی مداخلت کو نا قابل قبول قرار دیا اور خواتین اسلام کو شریعت کے مطابق زندگی گزارنے کی تلقین کی۔ عالمہ اُم سلمیٰ علیمی نے کہا کہ ہمارا معاشرہ شدید اخلاقی انحطاط کا شکار ہے۔ لوگوں نے نیکی اور بدی، حلال اور حرام کی سمجھ بوجھ رکھنا چھوڑ دیا ہے۔ آخر اِس معاشرتی بگاڑ کی وجہ کیا ہے، ہمیں غور کرنا ہوگا کہ کیا ہم بحیثیت مسلمان اپنے فرائض ادا کر رہے ہیں؟ عالمہ مبشرہ خاتون نے کہا کہ تعلیم انسان کا بنیادی حق ہے اور تعلیم یافتہ قومیں ہی ترقی کرتی ہیں۔ جب بھی ہم تعلیم یافتہ معاشرہ کی بات کرتے ہیں تو ہماری مراد یکساں طور پر خواتین اور مرد کی تعلیم سے ہوتی ہے۔ نور عائشہ علیمی نے کہا کہ حالات کا تقاضا یہ ہے کہ تعلیم نسواں کے حوالے سے مزید بیداری پیدا کی جائے اور اس کی جانب سنجیدگی سے توجہ دی جائے۔ اُم عمارہ علیمی نے کہا کہ کوئی طبقہ ایسا نہیں کہ جس کے بارے میں اسلام نے کوئی رہنمائی نہ کی ہو، اب صرف ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان اسلام سے رہنمائی حاصل کرنے کے لیے آمادہ ہو اور اپنا تعلق اپنے حقیقی خالق ومالک سے اُستوار کرے۔ کانفرنس کی سرپرستی عالمہ نجم النساء علیمی، صدارت عالمہ کنیز فاطمہ علیمی اور نظامت ام الوریٰ علیمی نے کی۔ اس موقع پر حنیفہ خاتون، اقرا رحمٰن، طوبیٰ رحمٰن، اقصیٰ رحمٰن، فیناز خاتون کے علاوہ قرب وجوار کی خواتین کثیر تعداد میں موجود تھیں۔ علیمی مومنٹ کے صدر مولانا محمد عرفان خان علیمی (ممبئی) اور ان کے احباب نے اس کانفرنس کے انعقاد میں اور اسے کامیاب بنانے میں خوب محنت کی۔

رپورٹ: (عالمہ) ام حبیبہ برکاتی، معلمہ کلیہ فاطمہ زہرا، رضا چوک ذاکر نگر، اوکھلا نئی دہلی۔ ۲۵ (بذریعہ واٹس ایپ برکاتی صاحب)

عقیدہ ونظریہ

میں نے اپنے رب کو اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے پہچانا

صادق رضا مصباحی٭

آپ اگر سوشل میڈیا کا استعمال کرتے ہیں تو خلیفۂ راشد حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی ذات ستودہ صفات سے منسوب بہت سے اقوال وارشادات اکثر آپ کی نگاہ سے گزرتے ہوں گے۔ کوئی بھی محتاط اور پڑھا لکھا انسان یہ یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ جو اقوالِ زریں، ارشاداتِ صادقہ اور افکارِ عالیہ حضرت علی سے منسوب ہیں وہ واقعتاً اُن کے ہیں بھی یا نہیں تاہم اس پر غور وفکر کرنے سے ایک خیال چشمِ تصور میں ضرور ابھر آتا ہے، کہ آخر کیا وجہ ہے کہ علم وحکمت اور انوار ومعارف کے زیادہ تر موتی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیوں منسوب ہیں؟

حضرت علی حدیث نبوی کی روشنی میں باب العلم ہیں اور جو شخصیت علم وفن کا باب ہو، اسے علم وحکمت کی کان، فضل وکمال کا منبع اور روحانیت وقدوسیت کا مرجع ہونا ہی چاہیے۔ ان اقوال اور ارشادات سے گزرتے ہوئے آپ یقیناً محسوس کرتے ہوں گے کہ یہ کس قدر گہرے اور وسیع ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک ایک قول، ایک ایک فکر اور ایک ایک ارشاد مختصر ومجمل سا متن ہے مگر اس کی تشریح وتوضیح کی جائے تو ہزاروں صفحات بھی ناکافی معلوم ہونے لگیں، سوچ کے دریا خشک ہوتے دکھائی دیں اور فکر کے پنچھی دور جا اڑیں۔

انھی اقوال وافکار میں سے ایک بڑا ہی معروف قول عَرَفْتُ رَبِّیْ بِفَسْخِ عَزَائِمِیْ ہے یعنی میں نے اپنے رب کو اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے پہچانا۔ کہنے کو تو یہ فقط چار لفظی جملہ ہے مگر ایک ایک حرف انوار ومعارف کے لاکھوں موتیوں سے شرابور ہے۔ مجھ جیسا ادنیٰ، بے شعور اور اجہل انسان بھی اگر اس پر لکھنے بیٹھے تو دفتر کے دفتر 'سیاہ' کر ڈالے، پھر سوچیے کہ جو اہل علم ہیں، اہل کمال ہیں اور اہل شعور ہیں، وہ کتنی گہرائی سے اس پر اپنے خیالات کا اظہار کر سکتے ہیں۔

یہ قول ہمیں بتاتا ہے کہ انسان کی حقیقت کیا ہے اور اس کی قوتِ پرواز کیا ہے۔ یہ بظاہر ایک چھوٹا سا قول ہے مگر در اصل یہ ایک تاریخ ہے، ایک تہذیب اور ایک فلسفہ۔ ہم آپ اکثر منصوبہ بندی کرتے ہیں مگر ناکام ہو جاتے ہیں، اپنی منزلوں کی طرف قدم بڑھاتے ہیں مگر راستے کے خس وخاشاک ہمارے قدموں میں زنجیر بن جاتے ہیں اور کنکر پتھر ہمارے قدم لہولہو کر دیتے ہیں۔

بس یہی وہ لمحہ ہوتا ہے جو ہمارے ذہنوں کے دروازے پر دستک دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ تیری ساری منصوبہ بندیاں، سبھی ارادے اور عزائم اس ذات باری کے دستِ قدرت میں ہیں جو یہ جانتا ہے کہ ہمارے ارادوں اور منصوبوں کو کامیابیوں سے آشنا کرنا ہے یا نہیں کیوں کہ وہ ہماری کامیابی اور ناکامی کی مصلحتوں اور حکمتوں سے واقف ہے، وہ اس بات سے بخوبی آگاہ ہے کہ ہمیں کہاں عزت دینی ہے اور کہاں ذلت سے ہم کنار کرانا ہے، کہاں گرانا ہے اور کہاں اٹھانا ہے۔ لوگ اکثر شکوہ کرتے ہیں کہ ان کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ دعاؤں کی عدم قبولیت کا راز کیا ہے، اس راز تک اگر انسان پہنچ جائے تو وہ انسان نہ رہے بلکہ معاذ اللہ خدائی کا دعوی دار ہو جائے۔ ہم اٹھتے بیٹھتے یہ کہتے نہیں تھکتے کہ اللہ پاک کارساز ہے، اس کے ہر کام میں حکمت ومصلحت ہے مگر کبھی یہ نہیں سوچتے کہ در اصل یہی وہ نکتہ ہے جہاں انسان کو اپنی بے بسی، بے کسی اور لاچاری کا احساس ہونے لگتا ہے اور خدائے رب العٰلمین کی برتری کا احساس پورے وجود کو ڈھانپ لیتا ہے، بس سوچنے والا دماغ ہونا شرط ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اپنے اس قول میں یہی سمجھانا چاہتے ہیں کہ اگر ارادے کامیابیوں کی سیڑھیاں نہ طے نہ کر سکیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ سارے دروازے بند ہو گئے، بلکہ اس ناکامی سے خدا کی معرفت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور یہ معرفت ہم پر حقیقی احساس اور شعور کے بے شمار در وا کر دیتی ہے۔ ارادے جب ٹوٹ جائیں، منصوبے جب ناکام ہو جائیں، پالیسیاں جب دھری کی دھری رہ جائیں تو ہمیں احساس ہونا چاہیے کہ کوئی ذات تو ہے جو ہمیں کنٹرول کر رہی ہے، کوئی تو ہے جو ہمیں اِس طرف نہیں اُس طرف لے جانا چاہتی ہے اور وہ ہمیں وہیں لے جانا چاہتی ہے جہاں فلاح اپنی

بانہیں پھیلائے ہمیں اپنی آغوش میں لینے کی منتظر ہے۔

اسلام نے مایوسی کو پہلے ہی کفر قرار دے دیا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ مایوسی معرفت الٰہی کے سبھی دروازے بند کر دیتی ہے جب کہ مثبت سوچ وفکر ہمیں شکر وصبر کی عادی بناتی ہے اور اسلام شکر وصبر کا ہی تو دین ہے۔ گویا معنی یہ ہوئے کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے اپنے اِس چار لفظی مختصر سے جملے میں اسلام کا پورا فلسفہ سمیٹ دیا ہے، مسلم امہ کی ساری تقدیر وتدبیر اس کوزے میں بند کر دی ہے۔ ہم اگر حسب بساط اس بلیغ، پر معنیٰ اور پرفکر جملے پر غور کرتے چلے جائیں توشعور وادراک کے بے شمار موتی ہمارے سامنے رولتے نظر آئیں، بس شرط یہی ہے کہ سوچ مثبت ہو، حقیقت پسند ہو، غیر جانب دار ہو، منطقی ہو اور بے ہنگم خیالات سے پاک وصاف۔

خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول مبارک وہ آئینہ ہے جس میں ہر مسلمان بلکہ ہر انسان اپنی فکر کی زلف برہم سنوار سکتا ہے اور مایوسیوں، ناکامیوں، نامرادیوں سے کوسوں دور رہ کر بہت خوش وخرم، مطمئن اور شاندار زندگی گزار سکتا ہے کیوں کہ اقوال علی رضی اللہ عنہ رازِ حیات ہیں، کان حیات ہیں، شان حیات ہیں، منبع حیات ہیں، ماخذ حیات ہیں، معنی حیات ہیں اور اساس حیات۔

☆ مدیر ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی، ممبئی 09619034199

بستی حضرت نظام الدین اولیاء میں مدرسہ محبوب الٰہی کا سالانہ جلسہ جشن دستار بندی

حضور نبی مختار علیہ السلام نے ایک دن فرمایا کہ عائشہ! جو مانگنا ہے آج مانگ لے۔ حضرت عائشہ نے اپنے والد محترم حضرت ابوبکر صدیق سے مشورہ کے بعد عرض کیا کہ معراج شریف میں آپ نے اپنے رب سے راز ونیاز کی جو باتیں کی تھیں، اُن میں سے صرف ایک بات بتادیں۔ نبی آخر الزماں علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص ٹوٹے دِلوں کو جوڑتا ہے، اُسے خداوند قدوس بے حساب بخشے گا، اگر اُس کے اندر ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا۔ حضرت عائشہ نے جب یہ خوش خبری اپنے ابا حضور کو سنائی تو آپ رونے لگے کہ داڑھی تر ہوگئی۔ حضرت عائشہ نے حیرت سے عرض کیا کہ خوش خبری پر بھی رونے کا ماجرا کیا ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق فرماتے ہیں کہ اِس خوش خبری کا ایک پہلو وہ ہے جس پر خوش ہونا فطری ہے لیکن اُس کا دوسرا پہلو بھی عبرت انگیز ہے کہ جو دِلوں کو توڑتا ہے، وہ بے حساب خداوند قدوس کی گرفت میں ہوگا، اگر چہ اُس نے خوب نمازیں پڑھی اور خوب عبادتیں کی ہوں۔ دار العلوم محبوب الٰہی، درگاہی مرکز باؤلی گیٹ بستی حضرت نظام الدین اولیا کے سالانہ جلسہ جشن دستارِ حفظ کے مہمان خصوصی مولانا محمد امین القادری مالیگانوی نے اپنے کلیدی خطاب میں مذکورہ ایمان افروز کلمات کہے۔ پیر حضرت سید احمد نظامی صاحب نے اجلاس کی سرپرستی اور پیرزادہ سید فرید احمد نظامی نے صدارت کی۔ مولانا محمد جنید قادری ناظم ونگراں مدرسہ محبوب الٰہی نے اہتمام وانتظام وقیادت کے فرائض بحسن وخوبی انجام دِیے۔ حافظ محمد ناصر سنبھلی نے قرآن کریم کی تلاوت کی۔ حافظ محمد ارشد، حافظ محمد احسان، مولانا غوث محمد شاہجہاں پوری، مولانا نوشاد عالم مصباحی چھپروی (مہمان خصوصی) اور مولانا محمد حسین مصباحی امام مسجد پتے شاہ نے نعت ومناقب کے گلدستے پیش کیے۔ مولانا محمد ظفر الدین برکاتی نے نظامت کے فرائض انجام دِیے اور حضرت محبوب الٰہی کی زندگی کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے بتایا کہ آپ جب بدایوں سے دہلی تشریف لائے تو سلطان غیاث الدین بلبن کا زمانہ تھا جب کہ آپ کے وصال کے وقت شاہ غیاث الدین تغلق کا دورِ بادشاہی ختم ہو رہا تھا۔ اِس طرح سات مسلم بادشاہوں نے حضرت محبوب الٰہی کا فاتحانہ دورِ نظامی دیکھا ہے اور سچائی یہ ہے کہ دہلی والوں نے اُسی دور سے آپ کو ''سلطان جی'' تسلیم کیا ہے، ویسے آپ سلطان المشائخ ہیں جیسے محبوب الاولیاء محمد نظام الدین سے ''نظام الدین اولیا'' کہلانے لگے۔ فرید آباد سے قاری محمد کلیم نوری دیوریاوی نے مدرسہ محبوب الٰہی کی تعلیمی دینی خدمات کا تعارف کرایا۔ غریب نواز فاؤنڈیشن دہلی کے چیئرمین مولانا انصار رضا نوری نے دیارِ محبوب الٰہی میں قائم ایک کامیاب مدرسہ محبوب الٰہی کی اہمیت وضرورت پر روشنی ڈالی اور کہا کہ شادی بیاہ کے پس ماندہ کھانوں سے دینی مدرسوں کے طلبہ کی ایمرجنسی ضیافت کا طریقہ ہمیں بدلنا ہوگا، یہ اچھے لوگوں کی سنت نہیں۔ مولانا محمد ظفر نوری ازہری (گوالیاری) نے بزرگوں کی خانقاہی تعلیم وتدریس اور اصلاح وتربیت کا خلاصہ پیش کیا۔ سید احمد نظامی، مولانا سید جاوید علی نقشبندی (دربارِ اہل سنت دہلی) مولانا محمد یعقوب علی قادری نے مدرسہ محبوب الٰہی سے فارغ ہونے والے سات حفاظ قرآن کی دستار بندی اور جبہ پوشی کی اور سند حفظ سے نوازا۔ اخیر میں مولانا محمد قمر الزماں رضوی گورکھپوری نے خطاب کیا پھر صلوٰۃ وسلام کے بعد مولانا محمد منان رضا بریلوی کی دعا پر جلسہ ختم ہوا۔ جشن دستار بندی میں مساجد کے امام صاحبان، بارگاہ محبوب الٰہی کے مخدوم زادگان، دینی مدرسوں کے اساتذہ وطلبہ اور عوام وخواص شریک رہے۔

(رپورٹ: حافظ فہیم رضا، بی بی سی بٹلہ ہاؤس، 9718815274

حالات حاضرہ

۰۰ پر سخن تا بہ لب نہیں آتا

مغرب کی ضرورت کے تحت مشرق میں وہابیت کی بنیاد رکھی گئی اور سخت گیر اسلام کی ترویج وتشہیر کی گئی

احمد جاوید (معروف صحافی)★

میڈیا میں یہ خبر آئی کہ خود سعودی عرب کے ولی عہد نے اس کے مغربی طاقتوں کے اشارے پر'اسلامی شدت پسندی' کو فروغ دینے کے گناہ کا اعتراف وانکشاف کیا ہے اور اسی کے ساتھ ٹرمپ کے داماد کشنر سے اس کی گہری دوستی بھی طشت از بام ہوگئی ہے تو ذہن میں تاریخ کے انگنت اوراق پھڑ پھڑانے لگے کیونکہ یہ اس داستان ہوشربا کا نہ تو آغاز تھا نہ انتہا، یہ اس کے ایک اور باب کا کلائمکس تھا جو ہم سے بہت کچھ کہہ رہا تھا۔ کئی راز افشا، کئی چہرے بے نقاب کر رہا تھا اور ہم دیکھ سکتے تھے کہ وقت کی کوکھ میں کیا کیا منصوبے اور خطرے پل رہے ہیں۔

اگر اِس داستان کا نقطہ آغاز شیخ محمد بن عبدالوہاب کو مان لیں جو نجد کے ایک قصبہ عیینہ میں 1703ء میں پیدا ہوئے تو نجد کے ایک شہر درعیہ کے امیر محمد بن سعود (متوفی 1765ء) کی ان کے ہاتھ پر بیعت اس کے ایک اور باب کا آغاز تھا اور اس تحریک کا نجد کے بعد حجاز پر قبضہ ایک اور داستان ہوشربا۔ یہ کوئی پہلا محمد بن سلمان اور کشنر نہیں ہے۔ اس داستان کے ہر باب اور ہر کردار کے پیچھے آپ کو ایک کشنر ضرور مل جائے گا اور عالم اسلام کی سب سے بڑی ٹریجڈی یہی ہے کہ اس کی قسمت کے فیصلے لارنس اور کشنر کرتے آئے ہیں۔ اس کی تاریخ لندن اور واشنگٹن کے نہاخانوں میں لکھی جاتی رہی ہے۔

شہزادہ سلمان نے کشنر کا نام لیا تو مجھے کرنل لارنس اور شہزادہ فیصل کی جوڑی یاد آئی جس نے مشرق وسطی میں وہ بارودی سرنگیں بچھائی تھیں جنھوں نے اس کے ٹکرے ٹکرے کر دِیے یہاں تک کہ خود لارنس سے اس خطہ کی حالت دیکھی نہ گئی اور ایک روایت کے مطابق اس نے اسی صدمے میں خودکشی کر لی اور شہزادہ فیصل کا جو انجام ہوا یا اُس کے خوابوں کی سلطنت جس انجام سے دوچار ہے، وہ تو حرف حرف آپ کے سامنے ہے۔

شہزادہ محمد بن سلمان اپنی ولی عہدی کی ابتدا کے ساتھ ہی مسلسل ایسا کچھ نہ کچھ کرر رہا ہے جن کو آپ دھماکہ کہہ سکتے ہیں اور جن کے ارتعاش دور دور تک محسوس کیے جا رہے ہیں لیکن جس دن سے وہ امریکہ کے دورے پر ہے، ہر دن کوئی دھماکہ کر رہا ہے۔ مملکت سعودی عرب کی اسلامی سخت گیری یا شدت پسندی اور اسلام کے اس ورژن کو ساری دنیا میں پھیلانے پر اربوں ڈالر خرچ کرنے کے پیچھے کارفرما حکمت عملی کا انکشاف بلکہ اعتراف جرم اُس کا ایک اور دھماکہ ہے جس نے جھوٹ کے بہت سے قلعوں اور عقیدت کے کئی محلوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔

محمد بن سلمان نے امریکہ میں قیام کے دوران واشنگٹن پوسٹ کو انٹرویو دیتے ہوئے بتایا کہ سرد جنگ کے زمانے میں جب روس کا اثر و رسوخ تیزی سے بڑھ رہا تھا تو مغربی ملکوں کی جانب سے سعودی عرب کو درخواست کی گئی کہ وہ روس کا مقابلہ کرنے کے لیے دنیا بھر میں اسلامی مدارس کو سرمائے مہیا کرائے تاکہ سخت گیر اسلام یا بہ لفظ دیگر اسلامی شدت پسندی کو فروغ دیا جا سکے۔ انہوں نے اعتراف کیا کہ روس کا مقابلہ کرنے کے لیے مغرب کے کہنے پر سخت گیر اسلام کو فروغ دیا گیا۔ بعد میں سعودی عرب نے ایسے مدرسوں کی فنڈنگ روک دی لیکن کچھ سعودی تنظیموں نے ایسا کرنا جاری رکھا۔ شہزادہ سلمان یہ بھی کہتا ہے کہ ایک کے بعد ایک آنے والی سعودی شاہی حکومتیں راستہ سے بھٹکتی رہی ہیں جن کو اب راستے پر آنا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ آج سخت گیر اسلام کو زیادہ تر فنڈنگ سعودی حکومت کی بجائے مختلف سعودی ادارے کر رہے ہیں۔ یہ اس شخص کی گواہی ہے جس کے بوڑھے باپ کی ضعیفی کے باعث مملکت کی باگ ڈور براہ راست اس کے ہاتھ میں ہے اور جو بقول خود آئندہ پچاس سال تک سعودی عرب کے اقتدار پر بلاشرکت غیر قابض رہے گا۔

سعودی ولی عہد واشنگٹن پوسٹ سے بات کرتے ہوئے دراصل اپنی اس مہم کا دفاع کر رہا تھا، جس کو وہ ''اصلاحات'' کا نام دیتا ہے۔ وہ امریکہ سے کہہ رہا ہے کہ اس نے قدامت پرست مذہبی رہنماؤں کو بڑی مشکل سے قائل کیا ہے کہ ایسی سختیاں اسلامی عقائد ونظریات کا حصہ

نہیں ہیں۔وہ اپنے اس انٹرویو میں صدر ڈونالڈ ٹرمپ کے داماد جیرڈ کشنر سے اپنے گہرے تعلقات کا انکشاف بھی کرتا ہے اور یہ بھی بتاتا ہے کہ گزشتہ سال اکتوبر میں ریاض میں کشنر کے ساتھ ملاقات کے موقع پر انہوں نے کرپشن کے خلاف کریک ڈاؤن کے لیے ہری جھنڈی دی تھی جس کے بعد سعودی عرب میں بڑے پیمانے پر گرفتاریاں ہوئیں۔ وہ اسی کے ساتھ ان گرفتاریوں کو سعودی مملکت کا اندرونی معاملہ باور کراتا ہے۔ یہ قصہ اس کلائمکس پر ختم ہوتا ہے کہ شہزادہ محمد بن سلمان کی ٹرمپ کے یہودی داماد کشنر سے گہری دوستی ہے۔

یہ ۲۰۱۰ء کا واقعہ ہے جب سعودی عرب کے تعاون سے ترکی کے ماردین میں ارتکلو یونیورسٹی نے علما و محققین اسلام کی ایک کانفرنس بلائی تھی۔کانفرنس کا موضوع تھا، امام ابن تیمیہ کا ایک فتوی جس میں تحریف کر کے اس شدت پسندی کی بنیاد رکھی گئی تھی جس کی فصلیں دنیا اب تک کاٹ رہی ہے۔ یہ خود سعودی محققین تھے جنھوں نے فتوی کے اصل نسخے نکالے اور دنیا کو بتایا کہ کس طرح اصل فتوے میں **یعامل** کو **یقاتل** بنا کر مسلمانوں پر آپسی خونریزیوں کے دروازے کھولے گئے پھر ایک سو سال تک سعودی مملکت اور اس کے پروردہ علما وفقہا تحریف شدہ فتاوی ابن تیمیہ کو چھاپ چھاپ کر ساری دنیا میں پھیلاتے رہے یہاں تک کہ وہ دن آ گئے جب عبدالسلام فرج، ایمن الظواہری، اسامہ بن لادن اور القاعدہ کے لوگوں نے اسی فتوی کو مملکت سعودی عرب کے خلاف استعمال کرنا شروع کر دیا تو فتوے کے اصل نسخے نکالے گئے۔امام محمد بن سعود یونیورسٹی ریاض کے شعبہ فقہ کے پروفیسر عبدالوہاب الطریری، موریطانیہ کے شیخ عبداللہ بیاہ اور یمن کے شیخ حبیب جفری کو آگے کیا گیا اور پختہ ثبوتوں کے ساتھ بتایا گیا کہ اصل فتوی یہ نہیں، یہ ہے۔سلمانی اصلاحات کو آپ اس کی روشنی میں دیکھیں تو صحیح نتائج تک پہنچ سکتے ہیں۔

ایک ہوتا ہے دین یا کتاب وسنت جس کے سپرد آپ اپنے نفس کو کرتے ہیں اور کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہی اسلام ہے، دوسرا ہوتا ہے قانون یا شریعت کو اپنے نفس کے سپرد کرنا اور اس کو ڈنڈے کی طرح استعمال کر کے لوگوں کو جانوروں کی طرح ہانکنا۔ ایسے لوگ ہر زمانے میں ہوئے ہیں، ہر فرقے اور ہر مسلک میں ہوتے ہیں لیکن تاریخ اسلام میں اس کی بدترین مثال سعودی مملکت ہے، اس کے علما ہیں اور ان کی غیر مقلدیت ہے کہ جب چاہا اپنی خواہش کے مطابق دین بدل دیا، شریعت تبدیل کر دی، فتوے لے لیے۔ اجتہاد کا دروازہ جو، ہر کس و ناکس پر کھلا ہوا ہے۔ کشنر نے کہا کہ توحید پھیلانا ہے، جہاد کو فروغ دینا ہے تو دنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر و مشرک قرار دے کر جہادیوں پر ڈالر کی برسات کر دی، دنیا کے گوشے گوشے میں آل شیخ اور ان کے ایجنٹوں کو مبعوث کر دیا، بش اور رمزفیلڈ نے کہا کہ یہ دہشت گرد ہیں تو وہ سب کے سب دہشت گرد ہو گئے، مارے اور اٹھائے جانے لگے۔

اور اب ٹرمپ اور کشنر نے بتایا ہے کہ اسلام کا وہابی ورژن پیچھے کر کے اس کا اعتدال پسندانہ چہرہ آگے بڑھانا ہے تو محمد بن سلمان نے ”قدامت پرست مذہبی رہنماؤں کو بڑی مشکل سے قائل کر لیا کہ ایسی سختیاں اسلامی عقائد و نظریات کا حصہ نہیں ہیں“ اب آقا کا حکم ہے تو خوشی خوشی یا مشکل سے راضی تو ہونا ہی ہے۔ یہ دین و مذہب نہ ہوا، اندھے کی لاٹھی ہوئی جب چاہا بدل لیا۔ ابھی دیکھتے جایئے کیا کیا ہوتا ہے، جانے اِن گنہگار آنکھوں کو کیا کیا دیکھنا ہے۔

یہ شیخ فرج اللہ الکردی تھا جس نے پہلی بار فتاوی ابن بن تیمیہ کا وہ نسخہ ۱۹۰۹ء میں شائع کیا تھا جس میں **یعامل** کو **یقاتل** کر دیا گیا تھا پھر یہ کردی کی اشاعت پر مبنی شیخ عبدالرحمن قسیم کی اشاعت (ایڈیشن) میں شائع ہوا۔ اس کے بعد یہ غلطی مسلسل سو برسوں تک دوہرائی جاتی رہی۔ فتاویٰ کے اس ایڈیشن کی وسیع پیمانے پر طباعت واشاعت اور عام دستیابی کی وجہ سے دنیا بھر میں اس فتویٰ کا یہی متن رائج ہو گیا۔ اسی طرح جب فتاویٰ کا ترجمہ انگریزی، فرانسیسی اور دوسری زبانوں میں ہوا تو اس کے مطبوعہ ایڈیشن کی یہ غلطی اس میں موجود تھی۔ کیا یہ کسی کو بتانے کی ضرورت ہے کہ سعودی مملکت قرآن کریم کے بعد جن کتابوں کو سب سے زیادہ شائع کرتی آئی ہے ان میں یہ کتاب (فتاوی ابن تیمیہ) سرفہرست تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ اس فتوے میں صرف ایک لفظ کو بدلنے سے مسلمانوں پر آپسی خونریزی کے وہ دروازے کھلتے تھے، جس کی فصلیں یہ آج تک کاٹ رہے ہیں۔ ابن تیمیہ حرانی سے ماردین کے تعلق سے (جس کی عام آبادی مسلمانوں کی تھی لیکن وہ غیر مسلم ظالم و جابر منگول حکمرانوں کے زیر تسلط تھی) پوچھا گیا تھا: ماردین کے لوگوں کا کیا حکم ہے کیا اُن کو مرتد مان لیا جانا چاہئے؟ کیا ماردین کی مسلم آبادی پر ہجرت فرض ہے؟ آیا ماردین کو اب بھی عالم اسلام کا حصہ مانا جائے؟

اُن کا جواب تھا کہ ماردین کے لوگوں کی جان ومال حرام ہے۔

منگولوں کے تسلط میں ان کا رہنا نہ تو ان کے حقوق سے کسی سمجھوتہ یا تخفیف کی اجازت دیتا ہے اور نہ زبانی طور پر ان کی تذلیل کرنا یا اُن پر ارتداد کا الزام دھرنا جائز ہے۔ اگر وہ اپنے مذہب پر عمل کرنے پر قادر ہیں تو اُن پر ہجرت فرض نہیں۔ یہاں رہنے والے مسلمانوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو بحیثیت مسلمان ان کے حقوق ہیں لیکن اسلامی شریعت کی حکمرانی سے باہر رہنے والے غیر مسلموں کے ساتھ ان کے حقوق کے مطابق عمل کیا جائے گا۔''

لیکن اس فتوے کا جو نسخہ سو سال تک پھیلایا جاتا رہا اُس کی عبارت کا آخری حصہ یہ تھا: ''مسلمان جہاں بھی رہتے ہوں ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو مسلمان کی حیثیت سے ان کے حقوق ہیں جب کہ اسلامی شریعت کی حکمرانی سے باہر رہنے والے غیر مسلموں سے لڑنا چاہیے جیسا کہ ان کا حق ہے۔''

آپ دیکھ رہے ہیں کہ معنی میں یہ تحریف صرف ایک لفظ کے دو حروف کی تبدیلی سے پیدا ہوئی ہے۔ صحیح لفظ **یعامل** (معاملہ کیا جائے) کو **یقاتل** (لڑا جائے) سے بدل دیا گیا پھر یہیں تک محدود نہیں رہا، غیر مسلم ریاستوں کے حلیفوں تک اس جہاد کو توسیع دی گئی۔ توحید خالص کی وہ تلوار الگ تھی جس سے جب چاہا کسی کو بھی مشرک بتا کر قتل کر دیا۔

اگر آپ اِس تحریف کے پس منظر میں جائیں تو پتہ چلے گا کہ یہ کوئی کتابت کی معمولی غلطی نہ تھی۔ در حقیقت یہی وہ زمانہ تھا جب آل سعود عرب قبائل میں خود مسلمانوں پر ہتھیار اٹھانے والوں کی ضرورت تھی اور وہ ایک دوسرے پر تلوار اٹھانے کو تیار نہ تھے۔ آل شریف اور آل سعود میں ۱۹۰۸ء کی جنگ طائف اور ان معرکہ آرائیوں کو کون بھول سکتا ہے جن میں مسلمانوں کے ہاتھوں اتنے مسلمان مارے گئے جتنے اس سے پہلے تاریخ میں کبھی نہیں مارے گئے تھے۔ یہ اسی کھیل کا تسلسل تھا کہ یہ فتویٰ مشرق وسطی اور عالم اسلام کے تشدد پسند گروہوں کا ہتھیار بن گیا۔

مشہور مصری مصنف اور جماعۃ الجہاد کے بانی و محرک محمد عبد السلام الفرج (۱۹۵۴ء-۱۹۸۲ء) نے اپنی کتاب 'الفریضۃ الغائبۃ' (ص: 6) میں اس فتوے کو اسی طرح استعمال کیا ہے اور یہ کتاب اب جنگ جو تنظیموں کا منشور بن چکی ہے۔ شیخ فرج اللہ الکردی، شیخ عبد الرحمن القسیم اور عبد السلام الفرج کا مملکت سعودی عرب سے کیا تعلق ہے اور اسلامی تعلیمات اور علمائے اسلام کی کتابوں میں تحریفات کی کتنی طویل اور کیسی خونچکاں داستان ہے، اس پر مزید کسی تبصرے کی کوئی ضرورت نہیں۔ صرف اتنا سمجھ لیجیے کہ یہ قصہ نہ تو یہاں سے شروع ہوتا کہ ہم نے سرد جنگ کے زمانے میں مغرب کی ایما پر سخت گیر اسلام یا اسلامی شدت پسندی کو فروغ دیا، نہ یہاں ختم ہوتا ہے کہ شاہ سلمان اور اس کے ولی عہد کو ریاض میں کشنر نے ہری جھنڈی دی تھی، پھر وہ اصلاحات شروع ہوئیں جن کے لیے سعودی شہزادوں، وزیروں، رئیسوں اور علما و شیوخ کی گرفتاریاں کی گئیں۔

جی میں کیا کیا ہے میرے اے ہمدم   پر سخن تا بہ لب نہیں آتا (میرؔ)

☆☆☆

☆مبصر روز نامہ انقلاب (پٹنہ) کے ریزیڈنٹ ایڈیٹر ہیں

رضا اسلامک ڈائری

گرامی وقار محترم المقام لائق صد احترام عالی جناب الحاج حافظ صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ

بعد سلام کے عرض ہے کہ میں نے آپ کی ''رضا اسلامک ڈائری'' کا مطالعہ کیا۔ اس میں ایک ڈائری نامہ بھی شائع ہے اس کا مطالعہ کیا۔ ماشاء اللہ ڈائری جلد، رنگ سب دیدہ زیب ہے۔ میں اس ڈائری کے مرتب و تصحیح کار، تزئین کار اور حروف ساز کامل کا قلب کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتی ہوں جنھوں نے اتنی اعلیٰ قسم کی ڈائری تیار کی اور آپ نے شائع کیا۔ لیکن مجھ ناچیز کی جانب سے آپ تمام افراد کے لیے ایک مشورہ ہے۔ اگر آپ کو مفید اور کارآمد معلوم ہو تو میرے مشورہ پر ضرور غور و فکر کیجیے گا۔ آپ ڈائری کے پیچھے جو رابطہ نمبر شائع کرتے ہیں تو یہ بہت ہی معلوماتی رابطہ ہے۔ آپ اردو میں شائع کرتے ہیں اگر آپ یہی سارے رابطہ نمبر ہندی میں بھی شائع کریں تو جو اردو سے ناخواندہ ہیں وہ بآسانی ہندی میں مطالعہ کر لیں گے۔ میں نے آپ کو صرف مشورہ دیا ہے اگر آپ کو میرا مشورہ پسند آئے تو ضرور ایسا کیجیے گا۔ ویسے آپ کی مرضی ہے۔ آپ جیسا بہتر سمجھیں ویسا کیجیے۔ رابطہ نمبر اور اسم گرامی دونوں ہی ہندی میں شائع کیجیے۔ مجھے تو اردو مختصر سی آتی ہے تو میں تو پڑھ لکھ لیتی ہوں لیکن اور افراد جو کم اردو لکھتے پڑھتے ہیں ان کے لیے تھوڑی دقت ہوگی۔ مولائے کریم سے میں دعا گوں ہو کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقے و طفیل میں آپ سبھی کو اس کار خیر کی جزائے خیر عطا فرمائے۔ آپ سبھی کو عمر خضر عطا فرمائے۔ آپ سبھی کو دارین کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے اور حرمین شریفین کی زیارت نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین

فقط والسلام: مریم ثقلینی بنت منا ثقلینی ابن نصر اللہ شرافتی)

اصلاح معاشرہ

تین نورانی راتیں شب معراج، شب برأت اور شب قدر

خوش فہمی میں نہ رہیں، خوش دلی سے فرائض واجبات ادا کریں، قضا نمازیں پہلے ادا کریں، قرض اور فرض کا مقام پہلے ہے

محمد ہاشم قادری مصباحی★

مولائے رحیم نے انسانوں اور جنوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ مَآ اُرِیْدُ مِنْھُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِیْدُ اَنْ یُّطْعِمُوْنَ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ۔ (القرآن، سورہ الذاریات ۵۱، آیت ۵۸-۵۶)

کہ میں نے جن اور آدمی اس لئے بنائے کہ میری بندگی کریں، میں ان سے کچھ رزق نہیں مانگتا، نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھانا دیں، بے شک اللہ ہی بڑا رزق دینے والا قوت والا قدرت والا ہے۔

انسانوں اور جنوں کو عبادت کے لیے ہی پیدا کیا گیا، اللہ رب العزت کا فرمان ہے کہ میں نے انسانوں اور جنوں کو اپنی کسی دوسری ضرورت کے لیے نہیں بلکہ صرف اس لیے پیدا فرمایا کہ میں ان کے فائدے کے لیے اپنی عبادت کا حکم دوں، وہ خوشی خوشی میرے معبودِ برحق ہونے کا اقرار کریں۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھ سے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے اپنے بندوں کو بندگی (عبادت) کے لیے پیدا کیا ہے۔ اب اس کی عبادت یکسوئی کے ساتھ جو بجالائے گا، کسی کو اُس کا شریک نہ کرے گا، اسے پوری جزا عنایت فرمائے گا اور جو اس کی نافرمانی یعنی عبادت میں کوتاہی کرے گا، وہ بدترین سزائیں بھگتے گا۔ (سنن ابوداؤد، سنن ترمذی)

مسند احمد میں حدیث قدسی ہے کہ اے ابن آدم! میری عبادت کے لیے فارغ ہوجا، میں تراسینہ تونگری اور بے نیازی سے بھر کردوں گا۔ اگر تو نے ایسا نہ کیا تو میں تیرے سینے کو اشغال (کام) سے بھر دوں گا اور تیری فقیری (تنگدستی) کو ہرگز بند نہ کروں گا۔ (مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ رحمٰن کی عبادت کرو، سلام کو عام کرو۔ راوی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں معقول بن یسار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فتنوں (کے) ایام میں عبادت کرنا ایسا ہی ہے جیسے میری طرف ہجرت کرنا۔ (ابن ماجہ، ترمذی)

یہ فتنوں کا دور ہے ایسے میں ہر مومن کو عبادت الٰہی پر خاص توجہ دینا چاہئے۔

تین نورانی راتوں میں عبادت: عبادت کے لیے کچھ خاص اوقات بھی ہیں جن میں عبادت کرنے کا ثواب بڑھ جاتا ہے جیسے رمضان المبارک جس کی فضیلت قرآن کریم واحادیث پاک میں آئی ہیں کہ نفل کا ثواب فرض کے برابر، ایک نیکی کا ثواب ستر گنا، یا اُس سے بھی زیادہ ہوجاتا ہے۔ اللہ نے ہی تمام دن ورات اور مہینہ بنائے ہیں ان میں کچھ دنوں، مہینوں کو بعض پر فضیلت بخشی۔ حرمت (عزت، بڑائی، عظمت) والے چار مہینے ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح سے موجود ہے: بیشک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہے اللہ کی کتاب میں جب سے اس نے آسمان اور زمین بنائے، ان میں چار چار حرمت والے ہیں، یہ سیدھا دین ہے۔ (القرآن، سورہ توبہ ۹، آیت ۳۵)

(۱) ذوالقعدہ (۲) ذوالحجہ (۳) محرم (۴) رجب۔ اسی طرح دنوں میں ''جمعہ'' اور ایام نحر کے دن رات میں رات کا آخری حصہ (وغیرہ) ''نماز'' ام العبادت ہے، ہر حال میں فرض ہے کسی حال میں معاف نہیں (جب تک شرعی اجازت نہ ہو) آج کل مسلمانوں کا عبادت کے معاملے میں انتہائی براحال ہے، مسجدوں میں نمازیوں کی تعداد دیکھئے تو نماز جیسی عبادت سے مسلمانوں کی بے توجہی رہی ہوتی ہے۔ ماہ رمضان المبارک میں دیکھیں تو دل باغ باغ ہوجاتا ہے، یہ خاص رحمت الٰہی ہی ہے کہ مسجدیں نمازیوں سے بھر جاتی ہیں۔ اسی طرح کچھ مخصوص نورانی راتوں میں جیسے شب معراج، شب برات، لیلۃ القدر میں بھی مسجدوں میں کثیر تعداد میں نمازی آتے ہیں، یہ اللہ کا کرم ہے۔ ان نورانی راتوں میں عبادت کا ثواب دوسری راتوں سے زیادہ ہوجاتا ہے۔ یہ بھی اللہ کی رحمت ہے کہ اپنے بندوں کو جس طرح چاہے نوازے۔

ان کی فضیلتوں سے انکار نہیں لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ کیا ان

راتوں کی عبادت ونفل نمازیں زندگی کے باقی اور دنوں میں قضا فرض نمازوں کا نعم البدل ہو جائیں گی؟ آج کل نیا رواج پڑ گیا ہے کہ ان مخصوص دنوں وراتوں کے لیے لوگ ہینڈ بل اور پمفلٹ شائع کراتے ہیں، عجیب عجیب طریقے سے نفل نماز پڑھنے کی ترکیب اور فضائل لکھے رہتے ہیں۔ جیسے آج کی رات چار رکعت نماز نفل ایک سلام کے ساتھ پڑھیں پہلی رکعت الحمد کے بعد قل یٰاَیُّهَا الْکٰفِرُوْن، دوسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ، تیسری رکعت میں قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، چوتھی رکعت میں قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھیں، پچاس سال عبادت کرنے کا ثواب ملے گا۔ پچاس سال کے گناہ معاف ہو جائیں گے (وغیرہ وغیرہ) اِس طرح کے اشتہاری پرچوں میں حدیث کا حوالہ کہیں نہیں ہوتا۔ عبادت میں ثواب تو بہر حال ہوتا ہے، اس طرح کے اشتہار جو بھی شائع کراتے ہیں ضرور کسی عالم دین کی مدد لیتے ہوں گے اور ثواب کی نیت سے بانٹتے ہیں، ذمہ دار لوگ غور کریں کیوں کہ اس طرح عوام الناس میں عبادت کی اہمیت گھٹ رہی ہے اور وہ یہ سوچتے ہیں کہ کم خرچ بالا نشین، چلو ایک رات عبادت کر لی پچاس سال کی عبادت کا ثواب مل گیا، ساتھ ہی پچاس سال کے گناہ بھی معاف ہو گئے۔ فرض نماز سے غفلت ایسے ہی افسوس ناک ہے اور اس پر اِس طرح کے غیر ذمہ دار کے اشتہارات و بیان بہت تشویشناک ہیں۔

آج مسلم معاشرے میں اَن گنت برائیاں جڑ پکڑ چکی ہیں، ایک دو ہوں تو گنا یا جائے، دو چار ہوں تو رونا رو یا جائے۔ علماء حضرات توجہ فرمائیں عوام میں پھیلی برائیوں کی نشاندہی فرمائیں ورنہ ایسا نہ ہو کہ ان سب کے ساتھ ہم سب کی پکڑ نہ ہو جائے۔ استغفر اللہ، اللہ رحم فرمائے۔

نماز فرض ہے، ام العبادات ہے کسی حال میں معاف نہیں پھر بھی ہم ڈھٹائی کے ساتھ نماز سے غفلت برتیں اور فرائض وواجبات کی طرف توجہ نہ دیں اور مخصوص دنوں کی عبادت پر توجہ مرکوز (FOCUS) کریں، یہ نادانی ہے اور بہت بڑی خوش فہمی ہے۔ نماز ہمیشہ فرض ہے جو نمازیں قضا ہوئی ہیں ان کا حساب لگا کر ادا کرنے کی کوشش کریں تا کہ اللہ رب العزت کے عتاب سے بچ پائیں ورنہ خوش فہمی میں پڑ کر اپنا خسارہ کریں گے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"تم فرماؤ کیا ہم تمھیں بتادیں کہ سب سے بڑھ کر ناقص عمل کن کے ہیں، ان کے جن کی ساری کوشش دنیا کی زندگی میں گم ہو گئی اور وہ اِس خیال میں ہیں کہ اچھا کام کر رہے ہیں۔ سورالکہف ۱۸، آیت ۱۰۴۔ ۱۰۳)

اس لئے جو بھی اللہ کی عبادت اُس طریقے سے بجالائے جو طریقہ اللہ کو پسند نہیں، وہ تو اپنے اعمال سے خوش ہو رہا ہے اور سمجھ رہا ہے کہ میں نے آخرت کا توشہ بہت کچھ جمع کر لیا ہے، میرے نیک اعمال اللہ کو پسند ہیں اور مجھے ان پر اجر و ثواب ملے گا لیکن اُس کا یہ گمان غلط ہے۔ فرض نماز کسی حال میں معاف نہیں۔

پیروں کے پیر روشن ضمیر حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں ایک حدیث حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت سے نقل فرماتے ہیں کہ جو شخص فرائض، واجبات کو چھوڑ کر سنن ونوافل میں لگا تا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک حمل والی عورت جو عنقریب بچے کو جننے والی ہے کہ اس کا حمل خراب ہو گیا اور بچہ مر گیا، اگر بچہ زندہ رہتا تو اس کا پھل (بچہ) اسے ملتا، اس عورت کو کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ حمل کے دوران عورت کو جو تکلیفیں ہوتی ہیں وہ سب اس نے جھیلیں اور اسے حاصل کچھ نہ ہوا۔ یہی مثال اس شخص کی ہے جس نے سنن ونوافل میں وقت لگا یا لیکن واجبات وفرائض سے غفلت برتا تو اُسے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی بادشاہ نے اپنی خدمت کے لیے ایک شخص کو بلایا۔ وہ شخص بادشاہ کی خدمت میں جانے اور اس کی خدمت کرنے کی بجائے بادشاہ کے نوکر کی خدمت کرتا رہا تو یہ خدمت بادشاہ کی نہ ہوئی اور بادشاہ کے حکم کی خلاف ورزی ہوئی اور اس کی خدمت نہ اس کو فائدہ پہنچا سکی نہ ہی بادشاہ کو، محنت کی اور محنت برباد ہو گئی۔

ذمہ دار علماء کو چاہیے کہ عوام کی صحیح رہنمائی کریں۔ جو لوگ عوام کو سراب (دھوکا، فریب) میں مبتلا کر رہے ہیں وہ ذمہ داری سے بچ نہیں پائیں گے۔

تین نورانی راتوں کی فضیلت اور ان کی حقیقت: ان مخصوص راتوں کی فضیلت سے انکار نہیں جہاں ان کی فضیلت بیان کی جائیں وہیں فرائض، واجبات کی اہمیت کو ضرور بتائیں خاص کر پانچ وقت کی نمازوں کی فضیلت اور نہ پڑھنے پر شدید عذاب کی جو وعیدیں قرآن کریم و احادیث طیبہ میں موجود ہیں اُن کو ضرور بتائیں، اللہ رب العزت کے عذاب سے بھی ڈرائیں۔ جو لوگ نماز سے غفلت برتتے ہیں قرآن کریم میں ان کے لیے سخت عذاب کی وعید آئی ہے:

فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ۔ (القرآن، سورۃ الماعون ۱۰۷، آیت ۵۔ ۴) کہ ان نمازیوں کے لئے خرابی ہے۔

(ویل نامی جہنم کی جگہ) ہے، جو اپنی نماز سے بھولے بیٹھے ہیں۔خوش فہمی سے بچیں۔فرائض، واجبات، سنت کی ادائے گی پر توجہ دیں اور ساتھ میں سنن ونوافل کا بھی اہتمام کریں تاکہ اللہ کی بارگاہ میں کامیاب ہوں، نیک اعمال کے لیے ایمان شرط ہے وہیں ایمان لاکر بندہ اعمال سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔فرائض ہر حال میں ادا کرے، ترک نماز میں ہم ڈھیٹ ہو چکے ہیں یہ تشویش ناک بات ہے۔ایمان کے ساتھ عمل کی سخت ضرورت ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَعَدَاللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا۔ (القرآن سورہ فتح:۴۸،آیت:۲۹) ترجمہ: اللہ نے وعدہ کیا ہے اُن سے جو اُن میں ایمان والے ہیں اور اچھے کاموں والے ہیں بخشش وبڑے ثواب کا۔قرآن کریم میں بہت سی آیات کریمہ اس کا اعلان کررہی ہیں کہ ایمان کے ساتھ عمل ضروری ہے۔(سورہ کہف ۱۸،آیت ۱۰۶،سورہ حشر ۵۹،آیت ۱۹، ۱۸، ۱۷،سورہ عنکبوت ۲۹،آیت ۷ وغیرہ)

علم دین سے ناواقف اور مادہ پرست وآرام پسند ماحول میں پلے بڑھے کچھ مسلمان جو تعیش میں زندگی گزار رہے ہیں ان کے دل میں ایمان آہستہ آہستہ ختم ہوتا جارہا ہے، عبادات کو بوجھ سمجھتے ہیں اور اس میں کچھ بے عمل مولوی حضرات ایسے لوگوں کو سراب (خوش فہمی) میں مبتلا کررہے ہیں۔یہ بات ذہن نشین رہے کہ نماز ام العبادات ہے جس کا مقصد صرف اور صرف اللہ کی بندگی اور اس کی رضا حاصل کرنا ہے۔اللہ کے رسول کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق ہی عبادت کرنا ہے۔غور فرمائیں کہ ہزاروں نفل نمازیں ادا کرنا اور چند مخصوص نورانی راتوں میں عبادت کرنا، کیا ایک فرض نماز چھوڑنے کا کفارہ بن سکتی ہے؟ کیا بیواؤں کی دیکھ بھال پر خرچ کرنے والی رقم جس پر حج فرض ہے اور وہ حج نہ ادا کرے تو کیا یہ نیک عمل حج نہ کرنے کا کفارہ بن جائے گا؟ کیا ہزاروں مریضوں کے علاج پر خرچ کرنے والی رقم، زکاۃ نہ ادا کرنے والے شخص کے زکاۃ نہ دینے کا کفارہ بن جائے گی؟ ہرگز نہیں حالانکہ یہ سب کام اجرو ثواب کے ہیں اور اسلام میں ان کی بڑی اہمیت ہے۔

اسی طرح اور نیکیاں کرنے اور چند راتوں کی عبادت فرض نماز ترک کرنے کا کفارہ نہیں بن سکتی۔ان عبادتوں کی فضیلت واہمیت سے انکار نہیں لیکن فرض نماز کے ترک کرنے والے کا عذاب بھی جان لیں:

ان کے بعد کچھ ناخلف پیدا ہوئے جنھوں نے نمازیں ضائع کر دیں اور نفسانی خواہشوں کا اتباع کیا، عنقریب انھیں سخت عذاب طویل و شدید سے ملنا ہوگا عنقریب وہ دوزخ میں غی کا جنگل پائیں گے۔(سورہ مریم ۱۹، آیت ۵۹) غی جہنم میں ایک وادی ہے، جس کی گرمی اور گہرائی سب سے زیادہ ہے، اس میں ایک کنواں (WELL) ہے، جس کا نام ''ہبہب'' ہے، جب جہنم کی آگ بجھنے پر آتی ہے، اللہ عزوجل اس کوئیں کو کھول دیتا ہے، جس سے وہ بدستور بھڑکنے لگتی ہے، قرآن میں ہے: کُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰھُمْ سَعِیْرًا۔کہ جب بجھنے پر آئے گی ہم اسے اور بھڑکا دیں گے۔(سورہ بنی اسرائیل ۱۷، آیت ۹۷)

یہ کنواں بے نمازیوں، زانیوں، شرابیوں، سود خوروں اور ماں باپ کو تکلیف دینے والوں کے لیے ہے۔نماز کی اہمیت کا اندازہ اِس سے بھی ہوتا ہے کہ اللہ نے سب احکام اپنے نبی ﷺ کو زمین پر بھیجے، جب نماز فرض کرنی ہوئی حضور ﷺ کو اپنے پاس عرش اعظم پر بلاکر اُسے فرض کیا اور شب اسریٰ (معراج کی رات) میں یہ تحفہ دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ اسلام میں سب سے زیادہ اللہ کے نزدیک محبوب کیا چیز ہے؟ فرمایا ''وقت پر نماز پڑھنا اور جس نے نماز چھوڑی اس کا دین نہیں۔'' نماز دین کا ستون (PILLAR) ہے۔(مسند، حدیث ۲۶۱۲، ج،۶ ص ۱۳۳ حدیث ۴۹۰)

مسلمانوں کو چاہیے کہ اللہ کا بندہ بن کر رہیں یعنی اطاعت وبندگی کرتے رہیں اور اطاعت پر گامزن رہیں، فرائض واجبات خاص کر نماز جو کسی حال میں معاف نہیں، اُسے وقت پر ادا کرتے رہیں اور سنتوں و نوافل کا بھی اہتمام کریں خواہ نورانی راتیں ہوں یا کبھی بھی خوش فہمی میں نہ رہیں فرائض کی ادائے گی میں کوتاہی نہ کریں۔اہل علم کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو سمجھاتے رہیں۔اللہ کا حکم ہے:

وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ (سورہ الذاریات ۵۱، آیت ۵۵،) کہ سمجھاؤ کہ سمجھانا مومنوں کو فائدہ دیتا ہے۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہم سب کو دین کے احکام جاننے اور اُن پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین ثم آمین

☆☆☆

امام وخطیب مسجد ہاجرہ رضویہ، جمشید پور (جھارکھنڈ) 09386379632
hmhashim786@gmail.com

خانوادۂ احمدیہ اشرفیہ، جائس علم وہدایت کا منارۂ نور

ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی★

لطائف اشرفی کے مطابق مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی 828ھ/ 1425) نے اپنے ایک نبیرہ حاجی احمد بن عبدالرزاق نورالعین جیلانی کو رشد وہدایت اور دعوت وتبلیغ کے لیے اودھ کے مردم خیز قصبہ جائس میں مبعوث فرمایا۔ انہیں کی نسل سے 'خانوادۂ احمدیہ اشرفیہ' کی تشکیل ہوئی۔ اس خانوادے نے دین کی اشاعت اور علم دین کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا ہے اور اس خانوادے کا شمار ہر دو علمی وروحانی اعتبار سے شیرازِ ہند کے ممتاز ترین خانوادوں میں ہوتا ہے۔ حضرت حاجی احمد کو سلوک وتربیت کی اجازت دیتے ہوئے حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی نے ان کے حق میں جو بلند کلمات فرمائے، ان سے مؤسس خانوادۂ اشرفیہ جائس کے فضل وکمال کا اندازہ لگتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

''احمد ثانی ما است، مسمی باسم نبوی، موصوف بصفات مصطفوی و مملواز ولایت مرتضوی، فرزندانش عزیز الوجود صاحب الجود خواہند شد۔''

حضرت حاجی احمد کی نسل کے بارے میں مخدوم صاحب کی اس پیشن گوئی کے بے شمار مصداق اس خانوادے کی تاریخ میں ملیں گے اور اس کا آخری نمونہ حضرت سید شاہ نعیم اشرف جیلانی سجادہ نشین (متوفی 27 جون 2012) کی ذات ستودہ صفات تھی جسے سر کی آنکھوں سے ملاحظہ کرنے والوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ اگر آپ کی زندگی صاحب جود وسخاوت کی زندگی تھی تو آپ کے آخری سفر میں خلق خدا کا اژدہام آپ کے عزیز الوجود ہونے کی دلیل، آپ کی محبوبیت کا مظہر اتم اور ثم یوضع له القبول فی الارض کی تفسیر تھی۔

حضرت شاہ حاجی احمد نے جائس آکر اپنے جد کریم کے چلہ خانے کے پاس قیام فرمایا۔ اس قصبے کے سادات وشرفا اور اصحاب علم وفضل کی ایک بڑی تعداد حضرت مخدوم صاحب کی ارادت مند اور عقیدت مند تھی۔ ان حضرات نے حاجی الحرمین کا صمیم قلب سے استقبال کیا۔ حضرت حاجی احمد نے یہاں خانقاہ اشرفیہ کی بنیاد ڈالی اور رشد وہدایت کے سلسلے کا آغاز کیا۔ جلد ہی اس خانقاہ کو نہ صرف اہل قصبہ نے بلکہ قرب وجوار کے لوگوں نے بھی اپنے دینی وروحانی مرکز کے طور پر تسلیم کرلیا پھر آنے والی صدیوں میں اس منبع علم وتصوف سے عرفان وہدایت کے چشمے پھوٹتے رہے۔ 906ھ/ 1501 میں حاجی احمد کا وصال ہوگیا۔ مادۂ تاریخ ''پیر دستگیر'' ہے، جواُن کے احاطۂ قبر میں آویزاں ہے۔

حضرت حاجی احمد کے بعد اس خانوادے کی سب سے ممتاز شخصیت حضرت شاہ مبارک بودلے سجادہ نشین کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دعوت وتبلیغ کا جو عظیم ووسیع کام آپ سے لیا، اس کی مثال ان کے معاصرین ومتاخرین میں نہیں ملتی ہے اور دین متین کی اشاعت کی جو توفیق آپ کو حاصل ہوئی، کم از خانوادہ اشرفیہ میں وہ کسی اور کے حصہ میں نہیں آئی۔ آپ اور آپ کے نامور خلفا نے فروغ دین کا جو کارنامہ انجام دیا، وہ ہندوستان کی قدیم چشتی خانقاہوں کی یاد تازہ کرتا ہے۔

متعدد راجگان وزمینداران صوبہ جات اودھ والہ آباد آپ کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ صاحب تاریخ جائس نے پانچ راجاؤں کا ذکر کیا ہے جن میں راجہ ملا پال، بھالے سلطان، راجہ تارتار، ساتن رائے کے بیٹے دیا چند اور تعلقہ بھرسوں کے جد اعلیٰ شامل تھے۔ مؤخر الذکر راجہ کا صدر مقام بہوا تھا۔

ان تمام راجگان کی اولادیں نسل در نسل اس خانوادے سے متعلق اور اس کی ارادت مند رہی ہیں اور ان نسلوں میں کئی نامور علما بھی پیدا ہوئے جن میں ایک نام راجہ اسماعیل خاں کے بیٹے راجہ مبازر خاں کا ہے۔ وہ خاندان فنون سپہ گری وریاستی نظم ونسق کے ساتھ ساتھ عصری علم وفن کے بھی شہسوار تھے۔ اصول فقہ میں ان کی کتاب ''مبازریہ'' اس فن میں ایک اعلیٰ درجے کی کتاب ہے۔ استاذ العلماء نظام الدین فرنگی محلی نے اس کی بڑی تعریف کی ہے۔ راجہ مبازر کی دستار فضیلت کا چرچہ عالمگیر کے وقائع نگاروں نے بھی کیا ہے۔ ان کے علاوہ قرب وجوار کے کئی جاگیرداروں اور بڑی تعداد میں خلق خدا نے حضرت شاہ مبارک

بودلے کے ذریعہ اسلام قبول کیا۔صاحب نزہۃ الخواطر نے بھی اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

علم دین کی ترویج کے اس مشن کو آپ کے خلفا نے آگے بڑھایا۔ آپ کے سب سے جلیل القدر خلیفہ آپ کے بیٹے اور جانشین سید جلال ثانی تھے، جو بڑے ہی صاحب کشف وکرامت بزرگ تھے۔ان کے ذریعہ بھی خطہ اودھ میں اسلام کی خوب اشاعت ہوئی۔آپ کے خلفا میں سب سے زیادہ شہرت حضرت ملک محمد جائسی ''صاحب پدماوت'' کو حاصل ہوئی جنہیں ہندی کا سب سے قدیم وعظیم صاحب دیوان شاعر ہونے کا شرف حاصل ہے۔انہوں نے اپنی شاہکار تصنیف (Magnum Opus) ''پدماوت'' میں سلسلہ اشرفیہ کی تعلیمات ہی کو علامتوں کے سہارے بیان کیا ہے۔ چونکہ سلسلہ چشتیہ کا محرک سلسلہ عشق ومحبت اور اس کا وسیلہ خدمت خلق ہے۔لہٰذا یہی دو ''پدماوت شریف'' کے محوری موضوع ہیں۔

مولانا عبدالحی رائے بریلوی صاحب اپنی شہرہ آفاق کتاب نزہۃ الخواطر (الاعلام بمن فی تاریخ الهند من الاعلام) میں رقم طراز ہیں:

ولہ مصنفات عدیدۃ منها پدماوت ذکر فیها الاطوار التسعة والانوار السبعة المصطلحة فی الطریقة الاشرفیة وعبر منها بسات دیپ ونو کھنڈ۔'(یعنی ملک محمد کی کئی تصنیفات ہیں، جن میں ایک پدماوت ہے، اس میں سلسلہ اشرفیہ میں سلوک کی مقرر اصطلاح نو، اطوار اور سات انوار کا بیان کیا گیا ہے، اوران دونوں اصطلاحوں کو نو کھنڈ اور سات دیپ سے تعبیر کیا گیا ہے۔)

لطائف اشرفی میں سلوک کے ان نو اطوار اور سات انوار کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔پدماوت کو سلسلہ چشتیہ کی تعلیمات پر مشتمل کتب تصوف میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔یہ کتاب صوفیا میں بے حد مقبول تھی، حضرت شیخ عبدالرزاق بانسوی، حضرت میر سید اسماعیل بلگرامی اور استاذ العلماء حضرت نظام الدین فرنگی محلی وغیرہ اسے بڑے ذوق وشوق سے سنتے تھے۔

حضرت مبارک بودلے کے ایک دوسرے نامور خلیفہ حضرت نظام الدین امیٹھوی ہیں، جو لکھنؤ اور اس کے قرب وجوار میں ''بندگی میاں'' کے نام سے جانے جاتے ہیں اور جن کا مزار فیض آثار آج بھی مرجع خلائق ہے۔حاکم صوبۂ اودھ والہ آباد پہاڑ خاں بھی حضرت مبارک بودلے کے بڑے عزیز مرید وخلیفہ تھے۔ان کی ذات حضرت کے فیض نظر سے ظاہری و باطنی فضائل کا مرقع تھی، جس کی مثال خال خال ہی نظر آتی ہے۔موہان روڈ پر اُن کا عظیم مقبرہ تھا، جس کے آثار اب بھی مسلمانوں کی عظمت رفتہ اور شوکت گم گشتہ کی نشاندہی کر رہے ہیں۔

خانوادہ اشرفیہ کی ایک اور ممتاز شخصیت حضرت شاہ ولی اشرف جائسی کی ہے۔عہد شاہجہانی میں ان کا شمار ہندوستان کے نامور صوفیا میں ہوتا تھا۔صاحب قران ان سے رابطہ نیاز مندی رکھتا تھا، اس کے دربار میں کئی امرا حضرت کے ارادت مندوں میں شامل تھے اور کئی ان سے اکتساب فیض کے لیے جائس بھی حاضر ہوتے تھے۔تاریخ جائس میں ہے کہ ''حضرت شاہجہاں بادشاہ رابطہ نیازمندی ظاہری وباطنی بحضرت ایشاں داشت واکثر امرائے شاہجہاں بشرف قدمبوسی مشرف شدند۔'' ایک بار کسی سبب سے اودھ والہ آباد کے بزرگوں کی معافیات ضبط ہوگئیں۔یہ سارے بزرگ دربارِ شاہجہانی میں حضرت کی وجاہت سے واقف تھے۔یہ سب جائس پہنچے اور حضرت شاہ ولی سے شفارش کی درخواست کی۔حضرت خانقاہی روایتوں کے مطابق خود تو تشریف نہیں لے گئے، لیکن اپنے فاضل صاحبزادے حضرت شاہ محب اللہ کو اس کام کے لیے شاہجہاں آباد روانہ فرمایا، دربار شاہی میں ان کا زوردار استقبال ہوا، ان کی سفارش قبول کی گئی۔علاوہ ازیں کچھ مواضعات خانقاہ اشرفیہ جائس کے نظم ونسق کے لیے بھی عطا ہوئے۔

خانوادہ اشرفیہ ہمیشہ حال وقال کا مجمع البحرین رہا ہے۔اس میں سلوک ومعرفت کی تربیت کے ساتھ ساتھ علوم شریعت کی تدریس کا سلسلہ بھی ہمیشہ جاری وساری رہا ہے۔ ماضی میں یہ اس خانوادے کا طرۂ امتیاز رہاہے۔ اس خانوادے میں ایسی متعدد علمی اور عبقری شخصیات پیدا ہوئی ہیں، جن کے فضل وکمال کا ایک عالم معترف ہے۔ حضرت شاہ ولی اشرف کے جانشین شاہ محب اللہ اشرف بیک وقت ہر دو قلب ونظر کے قلمرو کی سلطانی فرماتے تھے۔ ان کے حلقہ درس میں شریک ہونے کے لیے ملک بھر سے تشنگان علم ومعرفت کشاں کشاں جائس پہنچتے تھے۔ الہ آباد کے ممتاز عالم اور صاحب تصانیف کثیرہ حضرت ملا جلال کو بھی آپ سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

آپ کے صاحبزادے حضرت عنایت اللہ اشرف بھی بڑے بلند پایہ عالم اور صاحب کشوف وکرامات بزرگ تھے۔کتابوں میں ان کی بہت سی کرامتوں کا ذکر ملتا ہے۔آپ کے ایک نامور مرید علامہ واصل

جائسی بن علامہ رحمت اللہ جائسی تھے، جنہوں نے اودھ وروہیل کھنڈ کے کئی بڑے مدارس کورونق بخشی اور آنولہ کے مشہور زمانہ مدرسہ 'خانساماں' میں مدت دراز تک درس دیتے رہے۔

حضرت شاہ عنایت اللہ کے بیٹے اور جانشین حضرت کرم اللہ اشرف کی مسند علم وارشاد بھی متلاشیان علم ومعرفت کی ایک بڑی آماجگاہ تھی۔ اودھ کے معروف عالم وبزرگ شیخ محمد صالح ردولوی بھی آپ کے منتسبین میں سے تھے۔ انھوں نے خانوادہ اشرفیہ احمدیہ کے اکابرین اور ان کے فضائل وکمالات پر مشتمل ایک رسالہ بھی تصنیف کیا ہے۔ خانوادہ احمدیہ اشرفیہ کے علمی شخصیات میں حضرت سید شاہ کمال اشرف کے دو باکمال صاحبزادگان غلام مصطفی اشرف عرف ملا باسو اور علامہ جائس محمد باقر اشرف جائسی کے نام بے حد نمایاں ہیں۔ اول الذکر استاذ عالم کے لقب سے ملقب تھے۔ حضرت نظام الدین فرنگی محلی نے آپ کا آخری زمانہ پایا اور معقولات کی کچھ کتابیں بھی آپ سے پڑھیں اور مؤخر الذکر فاضل جائسی کے لقب سے جانے جاتے ہیں۔ اس زمانے میں درسیات کی شاید ہی کوئی کتاب رہی ہو، جس پر ملا باقر جائسی کے حواشی وتعلیقات اور تعقبات نہ ہوں۔ ان کی علمی شان وجلالت بقول مولوی عبدالقادر جائسی: 'مستغنی از بیان است ومصنفات وحواشی بر کتب متداولہ شاہد حال براں مقال است۔'

خانوادہ اشرفیہ جائس کی ایک اور قدآور علمی شخصیت حضرت علامہ اشرف قلی جائسی کی ہے۔ حضرت ملا باسو کی آخری عمر میں ہی خانوادہ کے اس فرزند جلیل نے جائس میں اپنی مسند درس بچھا دی تھی۔ اگر استاذ العالم اور فاضل جائسی کی درسگاہیں معقولی علوم کے لیے شہرت رکھتی تھیں تو حضرت اشرف قلی کی درسگاہ علوم نقلی وشرعی کے لیے مشہور ہوئی۔ استاذ العلماء فرنگی محلی نے علم کے متوسط ومنتہی مراحل طے کرنے کے لیے اسی چشمۂ علم کا انتخاب کیا اور حضرت اشرف قلی سے فقہ، اصول فقہ، کلام اور تفسیر کی مکمل تعلیم حاصل کی۔ اس تلمذ کا تذکرہ علمائے فرنگی محل کے تمام تذکرہ نگاروں نے کیا ہے۔ خود خاتم الفضلاء حضرت مولانا عبدالحئ فرنگی محلی نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ بانی فرنگی محل اور مؤسس درس نظامی حضرت علامہ نظام الدین فرنگی محلی نے علمائے خانوادۂ اشرفیہ جائس بالخصوص حضرت اشرف قلی سے بیشتر علوم وفنون کا اکتساب کیا۔ خانوادہ اشرفیہ کے اس نابغۂ روزگار شاگرد نے ایک ایسے علمی سلسلہ کی بنیاد ڈالی جس کی جڑیں لکھنؤ میں تو شاخیں پورے ہندوستان میں پھیلی ہوئی تھیں۔ برصغیر کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے اکثر مدارس میں علمائے فرنگی محل یا اُن کے شاگرد ہی مسند درس ہوتے تھے اور اکثر وبیشتر میں استاذ العلما کا ترتیب دیا ہوا درس ہی رائج تھا، جسے درسِ نظامی کہا جاتا ہے اور اس پورے نظام درس وتدریس کا سلسلہ بالواسطہ طور پر خانوادہ اشرفیہ کے اس عبقری شخصیت تک پہنچتا ہے جس کا نام اشرف قلی ہے۔

علامہ سید فیروز اشرف کی ذات بھی اس علمی سلسلۂ ذہب کی ایک کڑی ہے، یہ اپنے دور میں علم اصول اور عربی زبان وادب کے بے حد مشہور اساتذہ میں سے تھے۔ سید عبدالحئ حسنی رائے بریلوی نے "التحائف الاشرفیة" کے حوالے سے لکھا ہے کہ بے شمار لوگوں نے آپ سے اکتساب علم کیا۔ حضرت سید شاہ ابوالاعلیٰ عرف شاہ لعل بھی عہد عالمگیر میں خانوادہ اشرفیہ جائس کی ایک ایسی ذات تھی، جسے علم ظاہر وباطن کا سنگم قرار دیا جاسکتا ہے۔ راجہ مبازر خاں انہیں سے مرید تھے۔

متاخرین خانوادہ اشرفیہ جائس میں سید ظہور اشرف کی شخصیت قابل ذکر ہے۔ وہ ایک جید عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے طبیب ونبض شناس تھے۔ طبابت میں ان کے حذق ومہارت کا شہرہ دور دور تک تھا۔ وہ علوم دینیہ اور طبیہ کا درس بھی دیتے تھے۔ بہت سے لوگوں نے ان سے اکتساب علم وفن کیا۔ 'مہر جہانتاب' کے مطابق ان کا وصال 1277ھ میں ہوا۔

متاخرین میں سب سے نمایاں ذات سید شاہ علی حسن صاحب کی ہے۔ وہ اہل جائس کے درمیان حضرت شاہ صاحب یا بڑے میاں صاحب کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ علم وحکمت اور شعر وادب کے ساتھ ساتھ فن طبابت میں انہیں بھی بڑی مہارت حاصل تھی بلکہ اس خانوادے کی ایک روایت رہی ہے کہ اس کے علما ومشائخ عام طور پر طبیب ہوا کرتے تھے۔ ان کی طبابت وحکمت خلق خدا کی خدمت کا ایک وسیلہ تھی، جسے مشائخ چشت نے عبادت کا سب سے اعلیٰ مظہر قرار دیا ہے اور متعدی عبادت گردانا ہے۔ حضرت شاہ صاحب کی شخصیت کا سب سے نمایاں وصف محبت اہل بیت تھی جس کے اظہار کے لیے انہوں نے شاعری کا سہارا لیا۔ اہل بیت بالخصوص مولائے مومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں ان کے قصائد مدحیہ شاعری کا اعلیٰ نمونہ اور غیر معمولی شہرت وقبولیت کے حامل ہیں۔ 1328ھ مطابق

1910 میں وصال ہوا۔

متاخرین میں حضرت سید علی نقی اشرف سجادہ نشین سادگی وتوکل، ذکر وفکر، تربیت وسلوک اور اتباع شریعت میں اللہ کی نشانیوں میں سے تھے۔ اپنے والد حضرت شاہ ولی ثانی کے بعد سجادہ اشرفیہ پر متمکن ہوئے۔ علوم عقلیہ اور شرعیہ کی بیشتر تعلیم انہوں نے اپنے فاضل ماموں حضرت شاہ علی حسن جائسی سے حاصل کی تھی۔ عربی زبان پر انہیں کامل دستگاہ تھی۔ فقہ واصول کی بعض کتابوں پر ان کے تحریر کردہ حواشی ان علوم کے ساتھ ساتھ عربی زبان میں بھی ان کے راسخ القدم ہونے کی دلیل ہے۔

آخری دور کے مشائخ خانوادہ اشرفیہ میں حضرت شاہ غفور اشرف کا نام بھی قابل ذکر ہے۔ جائس کے نامور عالم مولانا عبدالقادر جائسی انہیں سے مرید تھے۔ وہ اپنی کتاب میں جس والہانہ انداز میں اپنے مرشد ومربی کا ذکر کرتے ہیں، وہ حضرت والا کی فضیلت کی غماز ہے۔ یہ وہی مولانا عبدالقادر ہیں، جو لکھنؤ میں کمپنی بہادر کے نمائندے جان ٹیمس کے مقربین میں سے تھے اور کمپنی نے جنہیں اپنا سفیر بنا کر نیپال بھی بھیجا تھا۔ رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ کثر امثالھم۔

☆☆☆

☆صدر شعبۂ عربی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد
aleemashrafj@tadhkiya.org

۴۴/واں عرس سیدی برکاتی مارہروی منایا گیا

حسب روایت امسال بھی عرس سیدی برکاتی انتہائی عقیدت ومحبت کے ساتھ منایا گیا۔ ۲۲/فروری بعد نماز عشا محفل مولود شریف سے منعقد ہوئی جس میں بڑی تعداد میں علما ودانشوران، زائرین عرس نے شرکت کی۔ بزرگوں سے ہماری محبت اور اپنے پیر ومرشد سے ہماری عقیدت کیسی ہونی چاہیے، حضرت وقارِ ملت سید سبطین حیدر قادری (صاحب زادۂ گرامی وقار حضرت نظمی میاں) نے اس حوالے سے بڑی مفید اور کار آمد گفتگو فرمائی۔ اس محفل کا اختتام صلاۃ وسلام اور وقارِ ملت کی دعاؤں پر ہوا۔ ۲۳ فروری بعد نماز فجر قرآن خوانی اور حلقہ قادریہ (درگاہ شاہ برکات) اس کے بعد ۸/بجے صبح پرچم کشائی کی گئی پھر ''یوم نظمی'' (Nazmi Day) منایا گیا۔ اس محفل کی ابتدا تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ جامعہ آل رسول، مارہرہ شریف کے طلبا نے حمد ونعت اور تقریری پروگرام پیش کیے۔ یہ اجلاس بطورِ خاص طلبا کی صلاحیت ولیاقت اور اُن کی تعلیمی ترقی کے لیے منعقد کیا جاتا ہے۔ مقرر خصوصی کے طور پر خلیفہ سید ملت قاری نسیم اختر قادری نے پُر مغز خطاب کیا۔ آخر میں وقارِ ملت حضرت سبطین حیدر برکاتی چشتی نبیرۂ سید العلماء نے اپنے نورانی بیانات سے سامعین کو محظوظ کیا۔ ان کی دعا پر اس مجلس کا اختتام ہوا۔ راقم نے مہمانوں کا استقبالیہ اور ہدیۂ تشکر پیش کیا۔ نظامت کا فریضہ معین الدین برکاتی نے انجام دیا۔ بطورِ مہمان خصوصی مولانا ذیشان احمد مصباحی اور ڈاکٹر مجیب الرحمن علیمی صاحبان جامعہ عارفیہ سید سراواں الہ آبادی نے شرکت فرمائی۔

۲۴ فروری صبح ۱۰ بجے عرس سیدی برکاتی کی پہلی نشست کا آغاز ہوا۔ تلاوت قرآن پاک مولانا ممتاز حسین ازہری (صدر المدسین) نے کی۔ اس کے بعد شاعر اسلام قاری رئیس احمد اشرفی برکاتی نے نعت ومنقبت پیش کیے۔ خصوصی خطاب مفتی شفیق احمد حنفی نے کیا۔ اخیر میں وقارِ ملت کا نورانی بیان ہوا، پھر صلاۃ وسلام پر محفل کا اختتام ہوا۔ بعد نماز مغرب نائب سجادہ نشین حضرت سید صفی حیدر صاحب قبلہ کی قیادت میں چادر کا جلوس نکالا گیا، صاحب سجادہ کے ہاتھوں مزار مبارک (سید العلماء) کا غسل اور چادر وگلپوسی ہوئی۔ بعد نماز عشا خاندان برکاتیہ کے بزرگوں کے تبرکات کی زیارت کا سنہرا موقع آیا جہاں صاحب سجادہ وقارِ ملت نے خرقہ مقدسہ زیب تن فرمایا، رونق محفل رہے۔ بعدۂ علما ومشائخ کے نورانی بیانات ہوئے اور پھر محفل سماع سجائی گی۔

۲۵/فروری بعد نماز فجر قرآن خوانی وحلقہ قادریہ کا اہتمام (درگاہ شاہ برکت اللہ میں) کیا گیا، اور جلسہ دستار بندی کی محفل منعقد ہوئی، جس کی نظامت جناب معین الدین نے کی۔ قرآن پاک کی تلاوت کے بعد جامعہ آل رسول کے طلبائے نعتیہ کلام پیش کیے اور فارغین جامعہ مولانا دانش برکاتی اور مولانا حسین برکاتی نے خطاب پیش کیا۔ مہمان خصوصی مولانا سید عالمگیر اشرف جیلانی نے ''شان اہل بیت اطہار'' پر خطاب فرمایا، اسی موقع پر مولانا سلمان قادری اورئی کا بھی خطاب ہوا پھر صاحب سجادہ اور علما ومشائخ کے ہاتھوں رسم دستار بندی ادا کی گئی اور فارغین جامعہ دستار وسند سے نوازا گیا۔ محفل کے اخیر میں حضرت وقارِ ملت نے عارف باللہ شیخ علامہ عبدالغنی نابلسی نقشبندی قادری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''سازوں کے ساتھ قوالی کی شرعی حیثیت'' کا رسم اجرا فرمایا، بعدہ محفل قل منعقد ہوئی اور پھر وقارِ ملت کی دعاؤں پر اس نورانی محفل کا اختتام ہوا۔ اس موقع پر بطور خاص سید جمال الدین اسلم قادری برکاتی، سید ابرار سلطان آستانہ سلطانہ قادریہ جالون اور بڑی تعداد میں عقیدت مندان شریک رہے۔ **اطلاع:** (مولانا منصور عالم علیمی، استاذ جامعہ آل رسول مارہرہ شریف (ناظم نشر واشاعت)

نقوش رفتگاں

شیخ عبدالحق محدث دہلوی سیمینار کا خطبۂ صدارت

خطیب: علامہ محمد احمد مصباحی (صدر العلما)★

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ حَامِدًا وَّ مُصَلِّیًا وَّ مُسَلِّمًا۔

حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (ولادت: محرم ۹۵۸ھ وصال: ۲۱؍ربیع الاول ۱۰۵۲ھ) کے بارِ احسان سے سارے اسلامیانِ ہند کی گردنیں خم ہیں جب کہ دیگر ممالک بھی ان کے دینی وعلمی فیضان سے محروم نہیں۔ ان کے زمانے میں صرف تصوف یا فقہ اسلامی، یا حدیث رسول یا خاص مذہب اہلِ سنت ہی خطرے میں نہ تھا بلکہ دین اسلام اور پوری شریعت اسلامیہ کی کشتی طوفانوں کی زد پہ تھی اور دینِ حق پر یورشِ پیہم صرف کھلے اَغیار کی طرف سے نہیں بلکہ زیادہ تر نام نہاد مسلمانوں کی طرف سے ہو رہی تھی۔ ایسے حالات میں جن مردانِ کار نے کشتی اسلام کو طوفانِ بلا سے نکالا ہے ان کا احسان اُن تمام لوگوں پر ہے جو اسلام اور اسلامی شریعت سے وابستگی پر فخر کرتے ہیں۔

اُس دور میں جن دو چار نفوس قدسیہ نے طوفانوں کا مقابلہ کیا ہے اُن میں ایک نمایاں نام حضرت شیخ محقق قُدس سرہ کا بھی ہے۔ ان کا ذکر جمیل سارے اہلِ اسلام خصوصاً اہلِ ہند کا اخلاقی فریضہ اور ان کی وفاداری واحسان شناسی کا مظہر ہے۔

اسی جذبۂ منّت شناسی کے تحت یہ سیمینار خانقاہ قادریہ ایوبیہ (کشی نگر) کے وفا پیشہ اور عقیدت کیش ارکان و وابستگان نے منعقد کیا ہے۔ رب تعالیٰ ان سبھی حضرات کو استقامت بخشے اور اپنی بے کراں نعمتوں سے نوازے۔ حضرت شیخ محقق قُدِّسَ سِرُّہٗ العزیز کی حیات و خدمات کے مختلف گوشوں پر تفصیلی مقالات سے اِنْ شاءَ المولیٰ تعالیٰ آپ بہت جلد رُوشناس ہوں گے۔ میں یہاں صرف چند اشارات پر اکتفا کرنا چاہتا ہوں۔ شیخ کے زمانے میں جو حالات تھے ان کا اجمالی نقشہ کچھ اس طرح ہے:

(۱) مغل بادشاہ ہمایوں کا بیٹا اکبر ایک جاہل اور نادان شخص تھا۔ پہلے وہ مذہب کا پابند تھا شریعت کا احترام کرتا، بعد میں اپنے حاشیہ نشین علمائے سُو کی صحبت میں رہ کر اس قدر بگڑا کہ اسلام کا موجد عرب کے جاہل اور مفلس بدّوؤں کو قرار دیا، معراج مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کا انکار کیا، سرکارِ دو عالم ﷺ کی ذات اقدس پر طرح طرح کے بے بنیاد الزامات تراشے، بہت سے ضروریات دین میں شک کرتا مثلاً نبوت، عالم کی تکوین، حشر ونشر، ثواب وعقاب وغیرہ، اپنے دیوان خانے میں علانیہ نماز پر پابندی عائد کی اور آفتاب کی پرستش ضروری قرار دی۔

(۲) شیخ کے زمانے میں سید محمد جون پوری کی مہدوی تحریک کو بھی فروغ حاصل ہوا۔ اس تحریک کے بانی سید محمد جون پوری کا عقیدہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو جو کمال حاصل ہوا، اُسے بھی ملا۔ بس فرق یہ ہے کہ انھیں اَصالۃً ملا، اِسے تبعاً، مگر یہ تبعیت بھی اس حد کو پہنچی کہ بزعم خویش وہ بھی انھی جیسا ہو گیا۔

(۳) اُس وقت ''نظریۂ الفی'' کی وبا بھی پھیلائی گئی یعنی اسلام صرف ہزار سال کے لیے تھا، ہزار سال پورے ہو گئے تو اب اس کا دور ختم ہو گیا، نئے دور میں نئے دین کی ضرورت ہے۔

(۴) صوفیہ کے نام سے ایک گروہ ایسا تھا جو یہ کہتا کہ انسان کو جب تک یقین ومعرفت کا حصول نہ ہو وہ شریعت کا مکلّف ہے، معرفت حاصل ہو جانے کے بعد وہ شریعت کی قید سے آزاد ہے۔ ان حالات میں جب کہ بانی مہدویت اپنے کو مثیل مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا شمار کر رہا تھا، دوسری طرف نبوت میں شک، معراج کا انکار، دینِ حق کا تمسخر اور کافرانہ عقائد ورسوم کا رواج ہو رہا تھا، ناموس رسالت کا تحفظ، مقامِ مصطفیٰ کی صحیح تعیین اور اسلام کی حمایت وحفاظت کا کام سب سے اہم تھا۔ شیخ نے اپنی تصانیف کے ذریعہ اس فریضے کو ادا کرنے کی پوری کوشش کی۔

(۱) سرکار کی سیرت پر دو جلدوں میں مدارج النبوہ لکھی جس میں سرکار کے حالاتِ زندگی، معجزات، فضائل وکمالات اور اہل تعلق و اشیائے متعلقہ سبھی کا ذکر ہے، تا کہ ان کی بے داغ زندگی، بے انتہا فضل وکمال، سب سے اعلیٰ وارفع منصب ومقام، بے مثال اور بے شرکت

مراتب و درجات کا تعارف ہو اور باطل اوہام و خیالات کا پردہ چاک ہو۔ دوسری کتاب **جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب** کو بھی اسی سلسلے میں منسلک کیا جا سکتا ہے۔ اس کتاب میں دیارِ محبوب کی تفصیل اور عظمت و فضیلت کا بیان ہے تاکہ اس پاک دیار کی طرف دلوں کی کشش اور محبت و عقیدت کا سامان ہو۔

خاک طیبہ از دوعالم خوش تر است
خوشا شہرے کہ در وے دلبر است

(۲) اسلامی عقائد کے بیان میں **تکمیل الإیمان و تقویۃ الإیقان** نامی کتاب لکھی تاکہ عوام صحیح عقائد اور سچے اسلام سے وابستہ ہوں اور دشمنوں کے پھیلائے ہوئے اعتراضات و بہتانات کا شکار ہونے سے محفوظ رہیں۔

(۳) حکومت میں دخیل اور بااثر اُمَرا کو خطوط لکھے اور انھیں حق کی حمایت اور باطل کی نِکایت پر اُبھارا تاکہ دربار کی فضا تبدیل ہو اور اسلام کا بول بالا ہو۔

(۴) اکبر کے بعد اس کا بیٹا جہانگیر تخت نشین ہوا تو شیخ نے اس سے ملاقات بھی کی اور اس کے لیے کتابیں بھی لکھیں، اس سلسلے میں رسالہ ''نورانیہ سلطانیہ'' اور **نصیحۃ الملوک و السلاطین** خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

(۵) فقہ و تصوف اور شریعت و طریقت کا باہمی ارتباط ثابت کرتے ہوئے شیخ نے کئی کتابیں لکھیں تاکہ نام نہاد صوفیہ کی بدعات و ضلالات کا ردّ و اِبطال پوری قوت کے ساتھ ہو، اس خصوص میں ''مرج البحرین فی الجمع بین الطریقین'' اور ''تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ و التصوف'' کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں۔

(۶) حدیث رسول ان کے نصاب کا اہم حصہ تھی، اسے عام کرنے کے لیے انھوں نے مشکاۃ المصابیح کا ترجمہ اور انتہائی مختصر و جامع شرح **اَشِعَّۃُ اللمعات** کے نام سے فارسی زبان میں لکھی تاکہ عوام بھی مستفید ہو سکیں، اُس وقت فارسی عوام میں بھی رائج تھی۔ مشکوٰۃ شریف ایسی جامع کتاب ہے کہ اس میں علم و معرفت، ایمان و عقائد، فقہی احکام، اخلاق، رِقاق، سرکار کے معجزات، فضائل و کمالات، صحابہ کے مناقب، علاماتِ قیامت وغیرہا مختلف ابواب پر احادیثِ کریمہ کا بیش بہا ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے۔ اس لیے شرح و ترجمہ کے لیے بطور خاص اسی کا انتخاب کیا اور فارسی و عربی دونوں میں اس کی شرح لکھی۔

(۷) شیخ نے اپنی تصانیف میں اسلام کی آفاقیت اور ابدیت پوری قوت کے ساتھ بیان کی اور یہ ثابت کیا کہ اسلام ہر ملک، ہر قوم اور ہر زمانے کے لیے ہے اور یہ ہمیشہ خدا کے بندوں کو خدا سے ملانے اور اس کی پسندیدہ راہ پر چلانے کا کام انجام دیتا رہے گا۔

(۸) شیخ نے حدیث وفقہ میں تطبیق کا کام بھی کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ فقہ صرف مجتہدین کی رائے اور اجتہاد کا نام نہیں بلکہ یہ قرآن و حدیث سے ماخوذ اور ائمۂ مجتہدین کی قوتِ استنباط اور انتھک کوششوں کا مظہر ہے۔ **لمعات و اشِعَّۃُ اللمعات** میں انھوں نے ائمہ کے مذاہب اور ان کے مآخذ بیان کرتے ہوئے فقہ حنفی کی تائید و ترجیح بھی بہت اختصار و جامعیت کے ساتھ بیان کی ہے۔ شیخ نے اپنے زمانے میں بڑی ہی اہم اور تحقیقی و بلند پایہ کتابیں اُس دور کی ضرورت اور تقاضوں کے پیشِ نظر لکھیں تاکہ اس وقت کے فتنوں کا رد اور دین حق کا دفاع ہو سکے لیکن یہ شیخ کی کرامت ہے کہ ان کے دور سے تین سو سال بعد جنم لینے والے فتنوں کا ردّ و ابطال بھی ان کی تحریروں سے بخوبی ہو جاتا ہے۔

مبارک پور سے ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی حیات و خدمات اور نظریات پر مولانا محمد عارف اللہ فیضی مصباحی کے قلم سے ایک مختصر کتاب شائع ہوئی جس میں درج ذیل عقائد و عنوانات کو شیخ کی کتابوں سے بڑی وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے جن سے تیرہویں، چودہویں صدی ہجری میں پیدا شدہ بہت سے باطل خیالات کا ردّ و ابطال ہوتا ہے:

(۱) سرکار کا علم غیب اور علمِ ما کان و ما یکون (۲) سرکار کا اختیار و تصرف (۳) سرکار کا حاضر و ناظر ہونا (۴) حیاتِ انبیا و اولیا (۵) مُردوں کا سننا، دیکھنا اور ادراک کرنا (۶) زیارتِ قبور (۷) زیارتِ روضۂ انور (۸) سفر زیارت (۹) توسُّل و استعانت (۱۰) شفاعت (۱۱) محفلِ میلاد (۱۲) فاتحہ و ایصالِ ثواب (۱۳) عرس بزرگاں (۱۴) مزارات پر قبّے اور عمارت بنانا (۱۵) سرکار کا جسم بے سایہ (۱۶) دور سے ندائے یا رسول اللہ (۱۷) معراج جسمانی (۱۸) رویتِ باری اور سرکار کی رویتِ حق (۱۹) اعلائے شانِ رسالت (۲۰) سرکار غوثیت کا احترام اور قلبی وابستگی

اہل دیوبند اور اہل حدیث بھی شیخ کو اپنا مقتدا، پیشوا تسلیم کرتے ہیں، ان کی کتابوں سے استناد کرتے ہیں اور ان کا نام بڑی عقیدت

سے لیتے ہیں مگر مذکورۂ بالا عقائد واعمال میں شیخ سے متصادم بھی نظر آتے ہیں، شیخ اگر صرف حرام وگناہ ہی نہیں بلکہ شرک وبدعت کے مرتکب تھے تو ان سے عقیدت کیسی؟ مقتداؤں اور پیشواؤں کی فہرست میں ان کا اندراج کیسا؟ مگر اُن لوگوں کے یہاں دورُخی پالیسی اور فکر وعمل کا تضاد کوئی نئی چیز نہیں، آباواجداد سے یہ کرتے چلے آئے ہیں اور اس پر انھیں کوئی شرم بھی نہیں۔

شیخ کا ایک عظیم کارنامہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے درس وتدریس اور تصنیف وتبلیغ کے ذریعہ سرزمین ہند خصوصاً شمالی ہند میں علم حدیث کو فروغ دیا، مقامِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے تعارف اور ذاتِ سرورِ کائنات علیہ الصلوات والتسلیمات سے ربط وعقیدت میں احادیث کریمہ کا بڑا دخل ہے، اس لیے شیخ نے اس طرف خصوصی توجہ مبذول فرمائی۔ بعد کے بے شمار اساطینِ علم شیخ کے سلسلۂ حدیث سے منسلک نظر آتے ہیں۔

سال گزشتہ بحر العلوم فرنگی محلی سیمینار کے خطبۂ صدارت میں اپنے استاذ حافظ ملت مولانا شاہ عبد العزیز محدث مبارک پوری علیہ الرحمہ کے سلسلے کا بحر العلوم مولانا عبد العلی فرنگی محلی قدس سرّہ (۱۱۴۲ھ ۱۲۲۵ھ) سے تعلق کئی طریقوں سے بیان کر چکا ہوں۔ اس خطبے میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ تک حضرت بحر العلوم قدس سرہ کا صرف ایک سلسلۂ سند ''الدر المنظوم فی اسانید بحر العلوم'' سے تبرّکاً پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں:

(۱) بحر العلوم عبد العلی محمد الفرنجی محلی (۱۱۴۲ھ ۱۲۲۵ھ) (۲) عن ابیہ الملا نظام الدین محمد الفرنجی محلی (۱۰۸۹ھ ۱۱۶۱ھ) (۳) عن الملا غلام نقش بند اللکنوی (۱۱۲۶۰۰ھ) (۴) عن الشیخ پیر محمد اللکنوی (۰۰ ۱۰۸۰ھ) (۵) عن الملا اخوند حیدر پتلوا الکاشمیری (۱۰۵۷۰۰ھ) والشیخ نور الحق الدہلوی (۹۸۳ھ ۱۰۷۳ھ) (۶) عن ابی الثانی، الشیخ عبد الحق المحدث الدہلوی (۹۵۸ھ ۱۰۵۲ھ) رحمہم اللہ تعالیٰ

دعا ہے کہ رب کریم حضرت شیخ کے فیوض وبرکات سے ہمیں اور ساری دنیا کو بہرہ ور فرمائے، ان کی غیر مطبوعہ کتابوں، رسالوں کی طباعت واشاعت کے وسائل فراہم کرے اور مطبوعہ کتابوں کی بھی پیہم اشاعت کی توفیق جمیل مرحمت فرمائے۔ آمین

وما ذلك عليه بعزيز ، وصلّى الله وسلم وبارك على حبيبه سيد العٰلمين وعلىٰ آله وصحبه أجمعين۔

محمد احمد مصباحی، رکن المجمع الاسلامی ملت نگر، مبارک پور وناظمِ تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

(منعقدہ: ۲۹ر جمادی الآخرہ ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۸ر مارچ ۲۰۱۸ء یک شنبہ، بمقام: خانقاہ قادریہ ایوبیہ، پُراکنک، ضلع کشی نگر، یوپی)

☆☆☆

پیش کش: مولانا محمد امجد رضا علیمی، استاذ جامعہ قادریہ دار القلم، دہلی 9718872604

سرزمین بیجھارا کٹیہار میں آٹھواں سالانہ عرس حفیظی

مناظر اہل سنت حضرت مفتی عبد الحفیظ (پورنیوی) بیجھاڑوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا دسواں سالانہ عرس ۱۵ر مارچ ۲۰۱۸ء بروز جمعرات مدرسہ تنظیم اصلاح المسلمین بیجھاڑا کے وسیع آنگن میں منعقد کیا گیا۔ جس کی صدارت کی ذمہ داری خود اس فقیر نے نبھائی۔ نظامت کے فرائض مولانا آفاق عالم رضوی و مولانا تنویر عالم مصباحی صاحبان کٹارے کروم ہاٹ کٹیہار نے انجام دیے۔ اس خوبصورت محفل کی ابتدا قاری مشرف صاحب کی تلاوت کلام اللہ سے ہوئی پھر شعرائے کرام مولانا عبد المنان کٹیہاری، مولانا کوثر نیازی کٹیہار، مولانا شاہنواز دہلی اور خواجہ قیصر سلمہ نے نعت ومنقبت کے کئی کلام سنائے۔ خواجہ قیصر سلمہ نے حضرت کی شان میں ایک خصوصی منقبت پیش کی۔ مولانا غازی ارمان مصباحی استاذ مدرسہ عالیہ پیپل گاچھی اور مولانا سید شاہنواز مصباحی استاذ مدرسہ نظامیہ فتح پور نے اسلامی عملی زندگی پر زور دیتے ہوئے حضرت کی حیات مستعار کو اپنا نمونۂ عمل بنانے اور ان کے نقوش قدم پر چلنے کی تلقین فرمائی۔ مولانا راحت احسان برکاتی نے اہم العبادات نماز کی اہمیت اور داڑھی منڈے لوگوں کو اس کے نہ کٹوانے اور نہ چھلوانے کی ہدایت فرمائی اور ساتھ ہی حضرت کی ولایت اور ہمہ گیریت پر بھی ایک پر مغز خطاب فرمایا۔ ان کے در پر پہنچنے اور ان کی گذاری ہوئی زندگی کو اپنا نشان عمل بنا کر آخرت کو سنوارنے کا ایک حسین فارمولہ پیش کیا۔

رات ۳ بجکر ۳۰ منٹ پر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں صلوٰۃ وسلام، بعدہٗ قل خوانی ہوئی اور پھر مولانا برکاتی صاحب کی دعاؤں پر اس محفل کا اختتام ہوا۔

اطلاع: (مولانا) محمد ضیاء الحق حفیظی اشرفی، جانشین مناظر اہل سنت علیہ الرحمہ

تعارف وتذکرہ

تاج الشریعہ کی دینی وادبی شخصیت۔تعارفی جائزہ

محمد پرویز عالم (مصباحی)★

تاج الشریعہ محمد اختر رضا خاں ازہری بریلوی کی دینی و ادبی شخصیت عرب وعجم میں ان کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ وہ خانوادۂ رضویہ کے بے مثل آفتاب و ماہتاب ہیں۔ مسلک اعلیٰ حضرت کے نگہبان و پاسبان ہیں۔ قاضی شریعت اسلام ہیں، مفتی شرع دین ملّت ہیں فقیہ اسلام اہل سنت ہیں اور پیر شریعت وطریقت ہیں۔ نبیرۂ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی ہیں۔ تاج الشریعہ کی دینی و ادبی شخصیت، علم وفضل، جاہ وجلال، شان وشوکت، عظمت وبزرگی، علوم و فنون، تقویٰ وطہارت نے عرب وعجم میں صاحب ذی شان بنا دیا ہے مفتی اعظم ہند کے جانشین ہیں۔ عربی، فارسی اور اردو کے متبحر عالم دین ہیں۔ عربی انگریزی زبان وادب کے اچھے اسکالر ہیں۔

ہندوستان کی تاریخ میں بریلی شریف علم وعمل کا گہوارہ ہے۔ اسی خاک دان ہند کے اک گوشہ میں محمد اختر رضا خاں بریلوی پیدا ہوئے۔ مولانا عبدالرحیم نشتر رضوی مہتمم جامعۃ الرضا نے راقم الحروف سے کہا کہ میں نے خود دریافت کیا تو تاج الشریعہ نے اپنی تاریخ پیدائش کے متعلق فرمایا کہ ’’تاج الشریعہ جانشین مفتی اعظم علامہ مفتی الحاج الشاہ محمد اختر رضا خاں ازہری قادری بن مفسر اعظم ہند حضرت مولانا محمد ابراہیم رضا جیلانی بن حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا بن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری فاضل بریلوی ۲۳ نومبر ۱۹۴۳ء بروز منگل محلہ سوداگران بریلی شریف میں پیدا ہوئے۔‘‘ (۱)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے گہوارۂ رضویہ میں محض چار سال کی عمر میں بسم اللہ خوانی مفتی اعظم ہند مولانا مصطفی رضا خاں نے کرائی۔ ابتدائی تعلیم وتربیت کا سلسلہ خانوادہ اہل رضویہ سے شروع ہوئی جہاں قرآن وحدیث کی تعلیم وتربیت ہوئی۔ ان کی فطری ذہانت کی جد وجہد نے سرمدی کیفیت پیدا کی بلکہ خانوادۂ رضویہ کے آغوش میں پرورش وپرداخت ہوئی تو علم وادب ورثہ میں مل گئی۔ یہاں تک کہ حضرت مفتی اعظم ہند کی شخصیت عرب وعجم میں مشہور ومعروف تھی تو تاج الشریعہ کا عہد طفلی خانوادۂ رضویہ بریلی کے کوچے ودر سے نکل کر دار العلوم منظر اسلام تک جا پہنچی۔ اسی اثناء میں بریلی کالج میں داخل بھی ہوئے۔ انگریزی وہندی کی تعلیم حاصل کی۔ مولانا شہاب الدین نے اپنی کتاب ’’حیات تاج الشریعہ‘‘ میں یہ لکھا ہے:

’’تاج الشریعہ نے فارسی کی ابتدائی کتب پہلی فارسی دوسری فارسی، گلزار دبستاں، گلستاں اور بوستاں منظر اسلام کے استاد حافظ انعام اللہ خاں تسنیم حامدی بریلوی سے پڑھیں۔ ۱۹۵۲ء میں ایف، آر، اسلامیہ انٹر کالج میں داخلہ لیا جہاں ہندی اور انگریزی کی تعلیم حاصل کی۔‘‘ (۲)

والد ماجد مفسر اعظم ہند مولانا محمد ابراہیم رضا خاں جیلانی بریلوی کی خواہش ہوئی کہ اختر رضا خاں کو اعلیٰ تعلیم وتربیت کے لئے قاہرہ بھیج دیا جائے تاکہ عربی زبان وادب کے علاوہ تفسیر وحدیث میں مہارت حاصل ہو جائے۔ والد کی خواہش کے مطابق تاج الشریعہ کو جامعہ ازہر بھیج دیا گیا۔ تاج الشریعہ کا داخلہ بھی عمل میں آ گیا مگر اتفاق کو کیا کہیئے کہ بھیجنے والا خود ہی اپنی سفر آخرت پر نکل گیا کہ ۱۲ جون ۱۹۶۵ء کو وصائل محبوب میں اپنی جان ملک الموت کے حوالے کر دیا اور انتقال کر گئے۔ تاج الشریعہ نے والد کے حکم کے مطابق فن تفسیر اور حدیث کے مطالعہ کو جاری رکھا اور جامعہ ازہر میں اول نمبر سے کامیاب ہوئے جیسا کہ مولانا محمد شہاب الدین نے اپنی کتاب میں لکھا ہے:

’’تاج الشریعہ جانشین مفتی اعظم ۱۹۶۳ء میں جامعہ ازہر قاہرہ مصر تشریف لے گئے وہاں اپنے ’’کلّیہ اصول الدین‘‘ میں داخلہ لیا۔ مسلسل تین سال تک جامعہ ازہر مصر میں رہ کر جامعہ کے فن تفسیر وحدیث کے ماہر اساتذہ سے اکتساب علم کیا۔‘‘ (۳)

اسی بناء پر علامہ اختر رضا خاں کو ’’ازہری میاں‘‘ کہتے ہیں۔ دنیائے گیتی کا عجب رواج ہے کہ جہاں سے ابتدا کی جاتی ہے وہی انتہا ہوتی ہے بلکہ فطری طور ہم محاسبہ کریں تو یہ بات کس قدر قابل ذکر ہے کہ انسان کی پیدائش کا مقصد محض عبادت ہے مگر رجوع الی اللہ لازم ہے بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے

کہ ابتدا کی جگہ انتہا کی منزل ہوتی ہے تو یہ بجا ہے۔ تاج الشریعہ کے لئے بھی یہی ہوا کہ جہاں سے تعلیم تربیت شروع کی تھی وہی انتہا کی منزل قرار پائی یعنی جس مدرسہ ومکتب میں ابتدائی تعلیم وتربیت پائی تھی اسی ''دارالعلوم منظر اسلام'' میں درس وتدریس کے منصب پر جلوہ افروز ہوئے۔ مولانا شہاب الدین رضوی لکھتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات بابرکات کو بین الاقوامی سطح پر مرجع خلائق بنادیا ہے، تشنگان علوم ومعرفت آپ سے آکر اکتساب فیض حاصل کرتے ہیں آپ کی ذات گرامی ان نفوس قدسیہ میں سے ہے جن کی علمی شوکت وجلالت، عظمت وبزرگی، تقویٰ وطہارت، مسلم الثبوت کے درجہ پر فائز ہے۔''(۴)

تاج الشریعہ ''رضوی دار الافتاء'' کے نائب مفتی مقرر ہوئے جہاں فتویٰ نویسی کا کام حضرت مولانا رضا علی خاں بریلوی نے شروع کیا تھا۔ ۱۸۳۱ء سے آج تک فتویٰ نویسی کا کام بحسن وخوبی چلا آرہا ہے۔ حضرت امام احمد رضا کی فتویٰ نویسی کا آغاز ۱۸۶۹ء ہے جبکہ حجۃ الاسلام مفتی محمد حامد رضا خاں کی فتویٰ نویسی کا آغاز ۱۸۸۵ء ہے۔ اسی طرح مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا نوری بریلوی کی فتویٰ نویسی کا آغاز ۱۹۹۰ء ہے جبکہ تاج الشریعہ ۱۹۶۷ء سے آج تک فتویٰ نویسی کا کام کر رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں، حجۃ الاسلام مفتی محمد حامد رضا خاں، مفتی اعظم ہند مولانا مصطفی رضا نوری بریلوی بعدہ حضرت تاج الشریعہ ہیں جو آج تک قاضی القضاۃ کی حیثیت سے فائز المرام ہیں۔ آپ نے حقائق کے ہر پہلو کو نمایاں کیا۔ حالانکہ انقلاب وبغاوت نے خوف پیدا کرنے کی کوشش کی اور مفتیان ہند نے مصلحت پر اکتفا کیا مگر تاج الشریعہ نے جو فتویٰ دیا، دین شریعت کے مطابق دیا، اس میں کسی قسم کی کوئی قباحت نہ تھی بلکہ اسلام کی حقیقت بیانی نے کبھی بھی لغزش پیدا نہیں کی۔ مفتی سید شاہد علی رامپوری نے ''حیات تاج الشریعہ'' کی تقدیم میں وضاحت کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''عصر حاضر میں اعلیٰ حضرت کے علوم وفنون کے سچے وارث، حجۃ الاسلام اور مفتی اعظم کے صحیح جانشین، روحانیت کے تاجدار، مسند برکاتیت کے رمز شناس، رضویات کے امین، تاج الشریعہ فقیہ اسلام قاضی القضاۃ فی الہند علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری دامت برکاتہم القدسیہ ہیں جو اہل سنت وجماعت کی عالمی سطح پر علمی ودینی، اعتقادی وفکری قیادت ورہبری فرمارہے ہیں۔''(۵)

تاج الشریعہ کی ذات کریمی آج بھی ارباب فکر ونظر اور اہل سنت والجماعت کے لئے قابل ذکر ہے۔ ان کی تصنیفات وتالیفات علم وادب کے لئے قابل احترام ہے۔ موصوف کی علمی وروحانی شخصیت کثیر الجہات ہے جس کی تحقیق ہر زاویہ نظر سے کی جائے گی تاکہ عربی واردو زبان ادب کے محققین ومورخین استفادہ کرسکیں۔ میں نے اپنے تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی کے لئے تاج الشریعہ کی شخصیت کا انتخاب کیا ہے۔ موصوف خانوادۂ رضویہ کے بے مثل روشن چشم وچراغ ہیں جن کی بصیرت افروز نظریے سے حقائق پسندی کا گوشہ گوشہ قلب ونظر کے لئے منبع ہے۔ ان کی عالمانہ بصیرت، عارفانہ حکمت یقینا باعث صد آفرین ہے جن کی فطری صلاحیت اس قدر پرکشش ہے کہ میں نے مقالے کا عنوان ''تاج الشریعہ محمد اختر رضا خاں کی شخصیت اور ادبی خدمات'' رکھا ہے۔ حیات تاج الشریعہ کی تقدیم میں مفتی سید شاہ علی حسنی رضوی نے یہ لکھا ہے:

''موصوف بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، مفسر ومحدث، فقیہ ومفتی، ادیب وشاعر، جامع شریعت وطریقت، صاحب زہد وتقویٰ، صاحب کشف وکرامت، مصنف ومؤلف، خطیب ومناظر اور متکلم ومحشی ہیں۔ آج وہ ولایت کے اس منصب عظیم پر فائز ہیں کہ جن سے مخاصمت و دشمنی میں ایمان کا خطرہ ہے۔ موصوف علمی وروحانی دنیا میں مشار الیہ و معتمد اور مستند مرجع علماء وفقہاء اور مشائخ وصوفیا ہیں۔''(۶)

حضرت تاج الشریعہ کی دینی وادبی شخصیت کا اعجاز ہے کہ مفکرین، محققین، علمائے اسلام وفقہائے دین شریعت، مشائخ عظام اور اور صوفیائے طریقت کے اک مشعل ہیں جو خانوادۂ رضویہ میں روشن ہیں۔ ان کے فکر وعمل میں عرفان الٰہی کا جذبہ ہے بلکہ خیالات وافکار میں علوم وفنون کا جوہر درخشاں وتاباں ہے۔ ہزاروں اختلافات کے باوجود حقائق سے متنبہ کیا وہ کسی سے خائف نہیں ہوئے بلکہ خانوادۂ رضویہ کی علمی وفقہی روایت پر قائم رہے۔ ان کے فتووں میں فکر کی گہرائی گہری سنجیدگی اور بھرپور متانت ملتی ہے جس سے ادبی نقطۂ نظر کا رنگ جھلکتا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قدس سرہ نے ''مقال عرفا باعزاز شرع وعلما'' لکھا تو شریعت وطریقت کے اصول وضع کیے جس میں حقیقت پسندی کے احوال مکشوف ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''شریعت اصل ہے اور طریقت اس کی فرع، شریعت منبع ہے اور طریقت اس سے نکلا دریا، طریقت کی جدائی شریعت سے محال ودشوار

ہے۔شریعت وہی پر طریقت کا دارومدار ہے شریعت ہی اصل کار، اور محک و معیار ہے، شریعت ہی وہ راہ ہے جس سے اصول الی اللہ ہے۔''(۷)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں نے شریعت اور طریقت کے دونوں پہلوؤں کو نمایاں کیا ہے جن کی تحریر میں حقیقت سازی ہے بلکہ ان کا فن حقیقت کا مظہر ہے۔ حالانکہ اہل صفہ کی تاریخ اسلامی تاریخ میں اک زریں مرقع ہے۔ سب سے پہلے بغداد میں حضرت ابوالہاشم نے اپنی خانقاہ کی تعمیر کرائی اور صوفیانہ مسلک کی بنیاد ڈالی جس کی نظیر آج بھی صوفیائے طریقت کے یہاں موجود ہے۔ اعلیٰ حضرت نے واضح طور پر شریعت وطریقت کے اصول کو نمایاں کیا ہے۔ خانوادۂ اعلیٰ حضرت کے چشم وچراغ تاج الشریعہ اہل سنت والجماعت کی نظر میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ آج بھی احکام شریعت کا حق ادا کر رہے ہیں۔ کرامات تاج الشریعہ کی تقدیم میں مفتی سید شاہد علی رضوی نے واضح طور پر لکھا ہے:

''حضرت تاج الشریعہ عصر حاضر کے ان برگزیدہ علماء دین، مفسرین و محدثین، فقہاو متکلمین اور مفتیان شرع متین میں ممتاز حیثیت کے حامل ہیں جن کے وجود مسعود سے بے شمار مخلوق خدا حق شناسی اور صداقت شعاری کی دولت گرانمایہ نصیب ہوئی۔''(۸)

ہندوستان کی تاریخ میں غدر کا سال ایک عہد کا خاتمہ ہے۔ انگریزی حکومت برسر اقتدار ہوئی تو مغلوں کی صدیوں کی حکومت برباد ہوگئی۔ اس نئے عہد کے آغاز سے سیاسی، سماجی، اور معاشرتی زندگی متاثر ہوئی۔ مولانا محمد علی جوہر نے تحریک خلافت کی بنیاد ڈالی اور انگریزی حکومت سے آزاد کرانے کے لئے جہاد کی اور مختلف تحریکیں وجود میں آئیں۔ کچھ تو ایسی تحریکیں تھیں جو انگریزی سرکار کی موافقت کی بات کرتی تھیں، ان کے قول وفعل میں بڑا فرق تھا مگر امام احمد رضا فاضل بریلوی نے مسلمانوں کے لئے برجستہ قلم اٹھایا۔ متحدہ ہندوستان کے مسلمانوں کو سیاسی کشمکش نے احساس کو بدل ڈالا۔ کچھ ایسے علما تھے جو انگریزی سرکار کی مخالفت کرتے تھے اور بعض علما بالکل خاموش تھے لیکن فاضل بریلوی نے شرعی نقطۂ نظر سے دیکھا اور فتویٰ دیدیا۔ گویا مرکزی دارالافتاء ۱۸۳۱ء سے شروع ہوا جو آج تک تاج الشریعہ نے قائم ودائم کر رکھا۔ مصدقات تاج الشریعہ کے مرتب معظم بیگ رضوی نے یہ لکھا ہے:

''حضرت تاج الشریعہ نے ۱۹۸۲ء مرکزی دارالافتاء قائم فرمایا، اس وقت دارالافتاء میں بانی مرکزی دارالافتاء فقیہ اعظم تاج الشریعہ کے علاوہ مفتی ناظم علی قادری بارہ بنکی، مفتی محمد مظفر حسین قادری، مفتی محمد افضال رضوی، مفتی محمد کوثر علی رضوی، مفتی محمد مناف رضوی، مفتی محمد غلام مصطفیٰ رضوی جو ملک اور بیرون ملک کے آئے ہوئے سوالات کے جواب عطا فرماتے ہیں۔'' (۹)

آج بھی دنیائے اسلام میں تاج الشریعہ کے بے شمار فضل وکمال اور محاسن وکمالات کے علماء، فقہا اور دانشور معترف ہیں۔ تاج الشریعہ نے جب اپنے رشحات قلم سے قوم کو متنبہ کیا تو دنیا کے مسلمانوں کا ہر طبقہ ان کی فنی صلاحیت اور علمی استحضار کے جذبے سے سرشار ہوا جس کی بنیاد امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے قائم کی تھی۔ مسند دارالافتاء میں بیٹھ کر مسائل دین شریعت کی تحقیق وتفتیش فرماتے ہیں تو شریعت وطریقت کے آئینے میں اتحاد کا درس دیتے ہیں۔ احکام شریعت، بہار شریعت کی بڑی قدر ومنزلت ہے اور اسی جھرمٹ میں تاج الشریعہ کی بڑی شان ہے۔ ''امام احمد رضا اور جدید افکار ونظریات'' کے مولف مولانا یٰسین اختر مصباحی نے لکھا ہے کہ فاضل بریلوی کی تحریرات ومکتوبات صرف دین حق اور شریعت مطہرہ کی حفاظت ہے بلکہ نصف صدی تک فتویٰ نویسی کا کام کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''آپ کتاب وسنت وارشادات صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین اور اقوال علمائے متقدمین سے سر مو انحراف کرنے کو روا، نہ رکھتے تھے۔ شرعی احکام ومسائل میں بلاضرورت وحاجت ومصلحت شرعیہ کبھی کسی ادنی تبدیلی وتغیر کو جائز نہ سمجھتے تھے۔ یہی آپ کا امتیاز واختصاص تھا اور آج بھی علمائے اہل سنت اسی قدیم روش پہ قائم وگامزن ہیں۔'' (۱۰)

حالانکہ آزادی کے جذبے نے ادب اور معاشرہ میں نئے تجربوں کو فروغ دیا اور ہندوستان کے مسلمان قدیم روایت سے منحرف ہوکر اسلامی ادب کی طرف مائل ہوئی۔ جو شریعت وطریقت، علم وعمل، فقر و قناعت، رشد وہدایت کی فطری طلب پر مبنی تھی۔ مغلوں کی حکومت برباد ہوئی اور انگریزی سرکار جب مسلط کردی گئی تو مسلمانوں نے بریلی کا رخ کیا جہاں شریعت وطریقت کی حفاظت کے لئے فاضل بریلوی کا خانوادہ اسلامی عظمت قائم رکھنے کے لئے شب وروز اپنے خون جگر سے اسلام کی آب یاری میں مصروف تھا۔ مفتی اعظم ہند کے علم وعمل، صبر وقناعت کی بردباری کی برکت کے سرچشمے ظاہر ہوئے تو دنیا کے مختلف گوشوں میں مسلمان فیض حاصل کر رہے تھے۔ اصابت فکری اور استقامت دینی نے تاج

الشریعہ کو آواز دی کے بیٹھنے کا وقت نہیں بلکہ مسلک اعلیٰ حضرت کی پیروی میں خدمت خلق ضروری ہے۔ مفتی اعظم ہند نے اپنا قائم مقام منتخب کیا اور صاف کہہ دیا۔ ملاحظہ کیجئے:

''مفتی اعظم ہند نے فرمایا ''اختر میاں اب گھر میں بیٹھنے کا وقت نہیں۔ یہ لوگ جن کی بھیڑ لگی ہوئی ہے کبھی سکون سے بیٹھنے نہیں دیتے اب تم اس کام کو انجام دو۔ میں تمہارے سپرد کرتا ہوں'' لوگوں سے مخاطب ہوکر مفتی اعظم نے فرمایا۔'' آپ لوگ اختر میاں سلمہٗ سے رجوع کریں انہیں کو میرا قائم مقام اور جانشین جانیں۔''(۱۱)

متحدہ ہندوستان میں علامہ رضا علی خاں نے مغل کے عہد میں فتویٰ نویسی کا کام ۱۸۳۱ء میں شروع کیا تھا گویا بریلی شریف میں فتویٰ نویسی کا سلسلہ مغل سامراج سے جاری ہے لیکن امام احمد رضا فاضل بریلوی نے دین شریعت کی حقیقی نوادرات کی تفصیل بیان کی تو تاج الشریعہ نے مسلک اعلیٰ حضرت کے روایتی آہنگ کی پاسبانی کی اور ایک پیکر میں محفوظ کیا۔ اخلاقی اہمیت اور عملی افادیت کو اجاگر کیا۔

جب مختلف ملکوں کا دورہ کیا تو سیرت النبی کے اجلاس، سیمینار اور سمپوزیم میں جامع دلائل سے خطاب کیا عربی و انگریزی میں آپ کی مہارت اہل زبان وادب کے لئے باعث حیرت بن گئی اور انسانی زندگی کے ہر پہلو کو تحریر وتقریر، تبلیغی اسفار اور بیعت وارشادات کے ذریعہ دین شریعت کی روشنی میں پیش کیا۔ تحقیقی نوادرات، تمہیدی طرز استدلال اور کثیر مستند حوالہ جات نے بنی نوع انسان کے قلب ونظر کو حسن عمل اور حسن سلوک کا پیہم نظریہ عطا کیا یہاں تک کہ اختلاف کی کشمکش میں حقیقت کے رویے نے اعتراف کیا گویا شریعت وطریقت کے اعتدال وتوازن نے انتقاد کی سطح پر موازنہ کیا تو اک حسین التزام پیدا کیا اور ظاہری و باطنی علم کی حکمت عملی نے معنی ومفہوم کو منفرد کر دیا اور تمام رسم ورواج کے شکوک وشبہات کا ازلہ کیا اور اسلام کی حقیقی روایت سے آشنا کیا۔

تاج الشریعہ مسلک اعلیٰ حضرت کے مشہور ومعروف عالم دین ہیں۔ موصوف نے مذہبی، ادبی، اور تحقیق کی دنیا میں مقبولیت حاصل کی ہے۔ ان کی تصنیفات وتالیفات اور خطیبانہ انداز اُن کی تحریر نگاری میں پنہاں ہے۔ انہوں نے جس موضوع پر قلم اٹھایا اُس کا حق ادا کیا اور اس کے معنی ومفہوم کو بالاستعیاب وضع کیا۔ اگر آپ ان کے تمام جہتوں کا مطالعہ صرف نظر کریں تو ان کے رشحات قلم نے سیاسی، سماجی، ثقافتی، تاریخی، ادبی، اور اسلامی نظریات کی ترجمانی ہے تاکہ بنی نوع انسان کا نظریہ حقائق سے روبرو ہونے کا جذبہ پیدا کرسکے اور انصاف کے تقاضے کا تجزیہ کیا جاسکے۔

تاج الشریعہ کی تصانیف وتراجم اور تعلیقات وتحقیقات مختلف علوم وفنون پر مشتمل ہے آپ دارالعلوم منظر اسلام میں تدریسی خدمات پر مامور تھے اور دارالافتاء وقضا کے دیگر مصروفیات کے باوجود بڑی خوبی کے ساتھ فتویٰ نویسی، تحقیق وترجمہ، تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری رکھا۔ آج بھی اردو سے عربی میں تالیف کا کام جاری وساری ہے۔ تاج الشریعہ کی دینی وادبی شخصیت کا اعجاز ہے کہ پچاس سے زائد کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں بعض کتابیں کئی جلدوں میں ہیں۔ بعض کتابیں عصر حاضر میں مستند ومعتبر تسلیم کی جاتی ہیں۔ فنی حقیقت کی آگہی اور اس کی ہمہ گیری نے فکر ونظر کی ایسی چمک پیدا کی ہے کہ تاج الشریعہ کی جگر کاوی کے روشن فکر نے معجز بیانی کی ترکیب کی خوبی احاطہ کرتی ہے۔ اجمالی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں انہوں نے دین شریعت کا آفاقی پیغام عام کیا ہے۔

تاج الشریعہ کی دینی وادبی شخصیت کا اعجاز ہے کہ ایمانی قوت میں حرارت پیدا ہوتی ہے۔ ان کی عالمگیر شہرت ومقبولیت فی الحقیقت خانوادۂ رضویہ کی شناخت بنی ہوئی ہے جہاں سے علم ادب کے سرمایے میں روز افزوں اضافے ہورہے ہیں۔ علم وادب کا سرتاج آج بھی لفظی ومعنوی آہنگ پیکر کا آئینہ دار ہے۔

میں نے اپنے تحقیقی مقالہ کا عنوان ''تاج الشریعہ محمد اختر رضا خاں کی شخصیت اور ادبی خدمات'' کا انتخاب کیا ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ خانوادۂ رضویہ کی قیمتی عظمت کے لعل وگہر میرے دامن میں کتنے آتے ہیں بس ان کے حصول ذوق ادب میں جاں نثاری کا جذبہ ہونا چاہیے۔

حواشی وماخذ

(۱) تاج الشریعہ کے مطابق مولانا عبد الرحیم نشتر مہتمم جامعۃ الرضا نے راقم الحروف سے کہا۔

(۲) حیات تاج الشریعہ مولف مولانا محمد شہاب الدین رضوی۔ ص ۲۵

(۳) ایضاً۔ ص ۲۶ (۴) ایضاً (حرف آغاز) ص ۳

(۵) تقدیم از: سید شاہد علی رضوی، حیات تاج الشریعہ، ص ۹

(۶) حیات تاج الشریعہ مولف مولانا محمد شہاب الدین رضوی (تقدیم) ص ۸

(۷) مقالہ عرفا باعزاز شرع وعلما از امام احمد رضا اشاعت سمنانی کتب خانہ میرٹھ، ص مصباحی، ص ۱۴

(۸) تقدیم از سید شاہد علی رضوی، کرامات تاج الشریعہ، ص ۱۱

(۹) مصدقات تاج الشریعہ مرتب معظم رضوی، ص ۷

(۱۰) امام احمد رضا اور جدید افکار ونظریات، مصنف مولانا یٰس آختر

(۱۱) حیات تاج الشریعہ، مولف مولانا محمد شہاب الدین رضوی۔ ص ۳۳

☆☆☆

☆ ریسرچ اسکالر، شعبہء اردو جے پرکاش یونیورسٹی چھپرہ، بہار 9546856786

مفتی شفیق الرحمن عزیزی کو آل نیدرلینڈ کا چیف قاضی بنائے جانے پر مبارک باد

حضرت مولانا مفتی شفیق الرحمن عزیزی مصباحی کا نام علماے اہل سنت میں ایک نمایاں نام ہے۔ آپ ضلع بستی کے مشہور گاؤں جمد اشاہی کے رہنے والے ہیں جہاں مبلغ اسلام علامہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی کی طرف منسوب ادارہ دارالعلوم علیمیہ قائم ہے، دارالعلوم علیمیہ محتاجِ تعارف نہیں، اس کے فارغین ہندو بیرون ہند کے مختلف مدارس، مساجد اور یونیورسٹیوں میں مختلف دینی وعلمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مولانا عزیزی نے ابتدائی تعلیم علیمیہ میں حاصل کی پھر جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں داخلہ لیا جہاں سے فضیلت کی تعلیم مکمل کی پھر شارح بخاری حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ اور محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفی قادری مصباحی دام ظلہ العالی کی تحریک وارشاد پر جامعہ اشرفیہ ہی سے تحقیق فی الفقہ والافتاء کا کورس مکمل کیا۔ حضرت شارح بخاری کے حکم پر دارالعلوم اظہار العلوم جہاں گیر گنج میں عالیہ کے مدرس مقرر ہوئے۔ ۶ ماہ کے بعد ممبئی کی قدیم دینی درس گاہ دارالعلوم محمدیہ متصل مینارہ مسجد میں بحیثیت مفتی ومدرس آپ کی تقرری عمل میں آئی، یہاں رہ کر آپ ناریل واڑی مسجد میں بھی امامت وخطابت کے ذریعہ دینی خدمات انجام دیتے رہے۔ چند سالوں کے بعد ممباسہ کینیا مشرقی افریقہ میں ایک عالم کی ضرورت ہوئی تو اشرف العلماء حضرت سید الشاہ حامد اشرف الاشرفی الجیلانی ودیگر اساتذہ کی نگاہ انتخاب آپ پر پڑی۔ اس طرح آپ ممباسہ کینیا پہنچے، آپ نے وہاں پہنچ کر اپنی دینی خدمات کا آغاز کیا۔ پانچ سال کام کرنے کے بعد ''دارالعلوم برکات مصطفیٰ'' قائم کیا۔ اس ادارے کے قیام میں مشرقی افریقہ کے علماومشائخ بالخصوص شیخ افریقہ سید احمد طہٰ شریف الحداد اور حضرت پیر شاہ باوا علامہ سید احمد دامت برکاتہ مفتی کچھ، کا بڑا عمل دخل اور تعاون حاصل رہا۔ اسی دوران شہزادہ مبلغ اسلام حضرت علامہ الشاہ احمد نورانی صدیقی علیہ الرحمہ نے ورلڈ اسلامک مشن نیدرلینڈ آنے کا حکم فرمایا۔ آپ کے حکم کی تعمیل میں نیدرلینڈ حاضر ہوئے، اب یہاں قریب پچیس سالوں سے مختلف الجہات دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

آپ ہالینڈ میں ورلڈ اسلامک مشن کے کنوینر اور مسجد طیبہ ایمسٹرڈم کے خطیب وامام ہیں۔ جامعہ مدینۃ الاسلام دین ہاگ میں استاذِ حدیث، رویت ہلال کمیٹی نیدرلینڈ کے چیئرمین بھی ہیں۔ قائد اہل سنت حضرت علامہ الشاہ احمد نورانی علیہ الرحمہ اور مفکر اسلام علامہ قمر الزماں خاں اعظمی کی معیت میں ۳۰؍ سے زائد یوروپی ممالک کے دعوتی وتبلیغی اسفار کا موقع ملا۔ الحمدللہ مسلمانوں کے عقائد واعمال کی اصلاح کے علاوہ ۲۶ سالہ دعوت وتبلیغ کے نتیجے میں ۱۰۰ سے زائد غیر مسلم دامن اسلام میں داخل ہوئے۔ آپ کی کاوشوں سے کئی نمایاں دینی کام ہوئے جس میں ۱۹۹۲ میں مبلغ اسلام کانفرنس ایمسٹرڈم، ۱۹۹۹ء میں بین الاقوامی ختم نبوت کانفرنس ایمسٹرڈم، ۲۰۰۲ء میں ختم نبوت کانفرنس دی ہیگ ہالینڈ سرفہرست ہیں۔

ابھی حال ہی میں مجلس علمائے نیدرلینڈ کے ذریعہ آپ کو آل نیدرلینڈ کا چیف قاضی اور صدر مفتی کا پروقار عہدہ تفویض کیا گیا ہے۔ اس مبارک ومسعود موقع پر مبارک بادیوں کا سلسلہ جاری ہے۔ ابنائے اشرفیہ، ابنائے علیمیہ، حضرت مولانا معین الحق علیمی، محب گرامی محمد ظفر الدین برکاتی ومولانا طفیل احمد علیمی دہلی شریف، علیمی موومنٹ آف انڈیا کے صدر مولانا محمد عرفان خان علیمی اور ان کے احباب ورفقا نے خوب خوب مبارک باد پیش کی ہے۔ تحریک سنی دعوت اسلامی بھی حضرت کو مبارک باد پیش کرتی ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ پاک آپ کو دین وسنیت کی مزید خدمات کی توفیق بخشے۔

حضرت موصوف عالمی سنی اجتماع ممبئی میں چند بار شرکت فرما چکے ہیں اور تحریکی کاموں کی حوصلہ افزائی فرماتے ہیں۔

مظہر حسین علیمی، مرکزی آفس سنی دعوت اسلامی، ممبئی 9323953352

نقوش راہ

نو آموز اہل قلم توجہ دیں

خالد ایوب شیرانی مصباحی★

مذہبی طبقے کو ہمیشہ ادبی طبقے سے یہ شکایت رہی ہے کہ ان کے علمی سرمائے کو ادب میں قرارِ واقعی مقام نہیں مل پایا۔ انصاف کی نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ شکوہ بجا بھی ہے لیکن ساتھ ہی مذہبی طبقے کی تحریروں اور تقریروں میں بہت سارے ایسے گوشے ہیں جن پر اس طبقے کو توجہ مبذول کرنے کی خاص ضرورت ہے جیسے:

(1) مذہبی طبقے کی تحریروں میں عام طور پر تمہیدیں بہت لمبی ہوتی ہیں جبکہ جامع تحریر کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ معمولی تمہید کے بعد یا آج کے دور میں بلا تمہید اصل مقصد کی طرف آ جایا جائے۔

(2) اسی طرح عام طور پر مذہبی لٹریچر میں تقریظوں کا ایک سلسلہ سا رہتا ہے، کبھی کبھی تو ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ نو آموز ارباب قلم جن سے تقریظیں لکھواتے ہیں، ان کا مقصد صرف تقریظ لکھنے والے کی دل جوئی ہے، کوئی علمی اضافہ یا کتاب کا تعارف نہیں۔

(3) بات کی طوالت کی بنیاد پر کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے مذہبی طبقہ جب تک کسی بات کے تمام گوشوں کو اجاگر نہیں کر دیتا، اس وقت تک اپنی تحریر کو نامکمل سمجھتا ہے۔ یہ فکر اور جذبہ اخلاص ایک حد تک محمود ہو سکتا ہے لیکن کسی بھی کام کے اصول، بہر حال اصول ہوتے ہیں، جن کی پابندی لازماً ہونی چاہیے، تحریر کی دنیا بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں۔ تحریر جتنی مختصر ہوتی ہے، اچھی مانی جاتی ہے۔

(4) مذہبی تحریروں کا بہت بڑا مسئلہ اردو سے زیادہ ان کا عربی رنگ ہے، بے شک اردو زبان عربی، فارسی اور سنسکرت کا آمیزہ ہے لیکن اس وقت ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ ہماری آج کی اردو بجائے خود ایک مستقل زبان ہے بلکہ اب تو یہ زبان عالمی زبانوں کی فہرست میں شامل ہو چکی ہے اور دنیا کی مشہور یونیورسٹیز میں اس کی تعلیم کے لیے مستقل شعبہ جات بھی قائم ہیں اور قابل قدر فیکلٹی بھی۔ یہ بات اہل اردو کے لیے جتنی خوش آئند ہے، اتنی ہی ذمہ داریوں کا خاموش مجموعہ بھی کیوں کہ جب کوئی زبان اپنی علاقائی سرحدیں عبور کر چکی ہوتی ہے تو وہ سماعی نہیں رہ جاتی بلکہ خود بخود قیاسی بن جاتی ہے، اس لیے اب کامیاب اردو لکھتے وقت جہاں قواعد، رسم الخط اور اسلوب بیان کا اصولی ہونا ضروری ہے، اتنا ہی یہ بھی ضروری ہے کہ اردو تحریروں کا رنگ اردو ہی ہو۔ ہماری ترکیبیں بھی اردو ہوں اور الفاظ بھی۔

مدارس، مساجد اور مقابر جیسے الفاظ کی جگہ جہاں تک ہو سکے مدرسوں، مسجدوں اور خانقاہوں جیسے الفاظ استعمال کرنے چاہئیں اور احکام و وجودہ کی بجائے، احکامات اور وجوہات جیسے الفاظ کی صحت پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔ آج کے دور میں ٹھیک یہی بات اس طبقے سے بھی کہی جا سکتی ہے، جس کی عام بول چال کی زبان اب ایک حد تک انگلش بنتی جا رہی ہے۔ خاص طور پر میٹرو شہروں میں رہنے والوں کو اردو لکھتے وقت یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ بولنے اور لکھنے میں فرق ہوتا ہے، جو بہر حال ملحوظ ہونا چاہیے۔ عربی کی طرح انگلش کے وہ الفاظ جو کسی حد تک گویا اردو کا حصہ بن چکے ہیں، تحریر میں در آئیں تو کوئی بری بات نہیں لیکن پر تکلف انداز میں اردو کے اندر انگلش کی آمیزش پیوند کاری ہوگی۔

(5) کبھی کبھی کچھ تحریریں پڑھ کر یہ خیال گزرتا ہے کہ نو آموز قلم کار کافی محنت سے گنجلک تعبیریں اور گہری علمی اصطلاحیں استعمال کر کے گویا قاری پر اپنی علمی دھاک جمانے کی کوشش کر رہے ہیں، اگر یہ اندازہ صحیح ہے تو اُسے ان کی ناتجربہ کاری اور سادہ لوحی پر محمول کرنا چاہیے کیوں کہ اس طرح ان کی علمی دھاک تو نہیں بیٹھ پائے گی لیکن ان کی محنت بھی ٹھکانے نہیں لگ پائے گی، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ سادگی میں جو برکت ہے، تکلف میں نہیں بلکہ شرعی اور اخلاقی نقطہ نظر سے تو تکلف بجائے خود ایک روحانی بیماری ہے جس کے علاج کی تدبیر ہونی چاہیے۔ امام محمد ابن غزالی علیہ الرحمہ یہ حدیث پاک نقل فرماتے ہیں:

أَنَا وَأَتْقِيَاءُ أُمَّتِي بَرَاءٌ مِّنَ التَّكَلُّفِ۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی، حدیث نمبر ۱۴۲۶۶) میں اور میری امت کے پرہیز گار لوگ تکلف سے بری ہیں۔ (احیاء العلوم)

اس مزاج کے حامل قلم کاروں سے شاید یہ گزارش بے جانہ ہو کہ حضور والا! اِس دورِ زوال میں اپنی علمی دھاک جمانے سے زیادہ اخلاص کے ساتھ اصلاح حال، ترسیل فکر اور افہام و تفہیم کی جامع کوششیں کیجیے، کیوں کہ دانش مندی اور علمیت وہ نہیں جس میں آپ الجھے ہوئے ہیں بلکہ اصل علمی لیاقت اور فکری بلندی یہ ہے کہ آپ مشکل بات کو بھی اس خوش اسلوبی اور سلاست کے ساتھ بیان کرسکیں کہ اوسط درجہ کی سمجھ رکھنے والا بھی بخوبی سمجھ جائے۔

(6) مذہبی تحریروں کے تجزیاتی مطالعے کے بعد ایک خاص تاثر یہ بھی قائم ہوتا ہے کہ مذہبی طبقہ بار ہا اپنا مافی الضمیر احسن اور اکمل انداز سے بیان نہیں کر پاتا، اگر کسی کو اپنی تحریروں میں اس کمی کا احساس ہے تو اس کے ازالے کی تدبیر، یہ ہوسکتی ہے کہ معاصر ادبی تحریروں کا خوب مطالعہ کیا جائے، بالخصوص خاکوں، افسانوں اور سوانحی مضامین کے متعلقہ گوشوں کو گہرائی سے نوٹ کیا جائے۔

(7) اس موقع پر جماعت اہل سنت سے وابستہ ارباب قلم سے یہ دردمندانہ فکری اپیل کرنا ہمارا حق ہے کہ مذہبی تحریروں کے ساتھ ہمارا ایک خاص رنگ ادبی تحریروں کا بھی ہونا چاہیے تا کہ جہاں ادب کے بہانے ہماری مذہبی تحریروں کو ادبیات میں جگہ مل سکے، وہیں مذہبی تحریروں کا ادبی رنگ بھی خوب نکھر سکے اور زبان و بیان کے لحاظ سے جو خامیاں رہ جاتی ہیں، وہ دور ہوں۔ اس فکری پہلو کی دلیل کے طور پر سر سید احمد خاں، شبلی نعمانی، ابوالکلام آزاد اور سید سلیمان ندوی جیسے اہل قلم کا نام لیا جا سکتا ہے جن کی تحریروں کا ایک پہلو مذہبی تھا تو دوسرا ادبی لیکن ادبی پہلوؤں کی وجہ سے آج ان کی مذہبی تحریریں بھی زیر بحث رہتی ہیں جبکہ ہماری جماعت کے علامہ ارشد القادری، پیر محمد کرم شاہ ازہری، ڈاکٹر مسعود احمد مجددی اور علامہ محمد احمد مصباحی جیسے صاحب طرز ادیبوں کی تحریروں کو بھی ادب میں صرف اس لیے کوئی مقام نہیں دیا گیا کہ ان کی لگ بھگ تمام تحریروں کا محور اول و آخر مذہب ہے، ادب برائے ادب نہیں۔ حالاں کہ ان حضرات کا اسلوب بیان اس قدر جامع ہوتا ہے کہ بڑے بڑے ادیبوں کے یہاں بھی اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس لیے اب عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ نسل نو شکوہ سے زیادہ عمل پر اپنا یقین مضبوط کرے اور اپنا ایک خاص ادبی مقام پیدا کرے۔

(8) مذہبی اہل قلم کے لیے آج کے دور میں ایک بڑا تحریری چیلنج یہ بھی ہے کہ وہ اپنے دائرۂ عمل کو وسعت دیں اور اس گلوبل ایج میں اپنے آپ کو صرف اردو زبان یا کسی خاص ایک زبان تک ہی محدود نہ کریں بلکہ علاقائی زبانوں پر بھی اپنی گرفت مضبوط کریں تا کہ تبلیغ دین اور دعوت خیر کا دائرہ وسعت پذیر ہو کیوں کہ آج بہت سی علاقائی زبانیں بھی ٹیکنکل زبانیں بن چکی ہیں جن میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ بھی ہے اور کمپیوٹرائز ہونے کی وجہ سے میڈیا اور بزنس وغیرہ کی آسانیاں بھی جبکہ عام طور پر علاقائی زبانوں میں نکلنے والے اخبار و رسائل کو اچھا لکھنے والوں کی بڑی ضرورت رہتی ہے، مذہبی طبقے کے لیے تبلیغ دین کا یہ موقع کسی نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں۔

(9) زمانہ کی رفتار کے ساتھ ہی ہر چیز میں غیر معمولی تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں، زبان و بیان کی ترقی کا مسئلہ بھی اس سے کچھ جدا نہیں، ایک حساس اور بہترین قلم کار کے لیے کم سے کم اتنا اپڈیٹ رہنا تو بہر حال ضروری ہے کہ اس وقت کون سے الفاظ، ترکیبیں اور اصطلاحیں رائج الوقت ہیں اور کن کا رواج اٹھتا جا رہا ہے۔ تمام کی جگہ جملہ کا لفظ اردو تو اردو اب ایک حد تک عربی میں بھی متروک سا ہو چکا ہے۔

(10) کسی کی تعریف کرتے وقت اس قدر جذبات کے شکار نہ ہوں کہ الفاظ اپنے معانی چھوڑ دیں۔ موجودہ دور کے القاب و آداب پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک دانش مند کہنے لگے: ہمارے یہاں القاب اپنے معانی چھوڑ چکے ہیں۔ جدید مذہبی طبقے کی یہ بات خاص طور پر نوٹ کی جاتی ہے کہ وہ جذبات کی رو میں بڑا جلدی بہہ جاتا ہے، تقریظوں اور تاثرات وغیرہ میں اکثر یہ بات دیکھنے کو ملتی ہے۔ کبھی کبھی استحصال پسند لوگ اس کا استحصال کرنے میں بھی کامیاب ہو جاتے ہیں، اس لیے کم سے کم تحریروں کے اندر سے یہ کمی ضرور دور ہونی چاہیے۔ سنجیدہ اسلوب میں نپے تلے اور جامع الفاظ استعمال کرنے کی عادت ڈالیں۔

(11) حرف عطف لفظ ''اور'' پر بھی بہت خاص توجہ دی جانی چاہیے، اس اہتمام کے ساتھ کہ یہ اردو اور ہندی کا حرف عطف ہے ویسے ہی جیسے عربی اور فارسی کا حرف عطف لفظ ''واؤ'' ہے، اس لیے جیسے اردو اور ہندی الفاظ کے لیے ''واؤ'' حرف عطف کے طور پر استعمال نہیں ہونا چاہیے، اسی طرح لفظ ''اور'' کا عربی اور فارسی الفاظ کے درمیان میں بھی استعمال نہیں ہونا چاہیے۔

(12) لفظ ''اور'' کی تکرار سے بچنے کے لیے جدید اصول املا کے

مطابق (') کو ما کا خوب استعمال کریں اور صرف آخری لفظ سے پہلے لفظ ''اور'' کا استعمال کریں جیسے: زید نے حامد، بکر، فرید اور محمود کی تعلیم کا انتظام کیا۔

(13) کسی لفظ کا املا کئی طرح سے منقول ہونے کی صورت میں جدید کتابوں سے مراجعت کر کے جدید املا ہی کو ترجیح ہونی چاہیے جیسے علمائے کرام، لئے (بمعنی واسطے) لیے (بمعنی لیا، کا مجہول) کیے (بمعنی کیا، کا مجہول) کو رواج ہونا چاہیے۔

(14) جو الفاظ الگ الگ ہوں، ان کو لکھتے وقت بھی الگ الگ لکھا جانا چاہیے جیسے کیونکہ، چونکہ، اسکو، جسکو کی بجائے کیوں کہ، چوں کہ، اس کو اور جس کو لکھا جانا چاہیے۔

(15) جدید اور انگریزی الفاظ کے سلسلے میں ایک بڑا مسئلہ نئے لفظوں کی تذکیر و تانیث اور ان کی جمع سازی کا بھی ہے۔ اس سلسلے میں اساتذہ کی تحریروں سے استفادہ یا استدلال ہونا چاہیے۔ ذوق یہ کہتا ہے کہ اس سلسلے میں اصل بات ان الفاظ کا اردو میں کثیر الاستعمال یا قلیل الاستعمال ہو کر مانوس بن جانا یا غیر مانوس رہ جانا ہے۔

اسکول چوں کہ ایک حد تک اردو لفظ بن چکا ہے، اس لیے لفظ ''اسکولوں'' کے ذریعہ اس کی جمع لانے میں ذہن بوجھل نہیں ہوتا لیکن اسی اسکول کے اسٹوڈنٹس کو آپ جب ''اسٹوڈینٹوں'' کہہ کر پکارتے ہیں تو وہ اسٹوڈنٹس مشتعل ہو جاتے ہیں۔

(16) بہت سے اخبار و رسائل اور ویب سائٹس گنتی کے الفاظ لکھواتے ہیں، عام طور پر یہ حد بندی پانچ سو، الفاظ تک ہوا کرتی ہے۔ جب تک اپنے آپ کو پابند کرنے کی ممارست نہ ہو شاید یہ پابندی گراں گزرے لیکن دراصل یہ پابندی تحریر میں نکھار لانے کا بڑا مؤثر ذریعہ ثابت ہو سکتی ہے۔ اس لیے اپنے آپ کو خواہی نخواہی اس طرح کی پابندیوں کے لیے تیار رکھیں۔

قلم اللہ رب العزت کی بہت بڑی نعمت ہے اور سوشل میڈیا، اب تک کی قلمی تاریخ کی سب سے بہترین جولان گاہ۔ اصول پسند افراد کو کامیابیوں سے ہم کنار ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ کوئی بھی فن فی نفسہ نہ آسان ہوتا ہے، نہ مشکل، انسان کی سہل پسندی یا ہمت دروں مشکل کو آسان اور آسان کو مشکل بنا دیتی ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ جفا کشی ہمیشہ وقتی ہوتی ہے اور اس کا نتیجہ تادیر فیض بار ہوتا ہے۔

یہ چند شذراتی باتیں بے حد مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔ حتی الامکان کوشش کریں کہ شستہ، شائستہ، معلوماتی، دل چسپ، سنجیدہ اور جامع اسلوب ہماری تحریری پہچان بنے۔ خدا کرے ایسا ہو۔

☆☆☆

☆صدر تنظیم مسلم اسٹوڈینٹس آرگنائزیشن آف انڈیا (جے پور)
9828049071,9950595786

گوشوارہ: مدرسہ غوث الثقلین مہمند ہدف شاہجہاں پور یوپی
2-1-1-2017، 2 ربیع الآخر 1438ھ بروز اتوار سے
12 ربیع الآخر 1439ھ بروز پیر 31-12-2017 تک

(۱)	درجہ حفظ و ٹیچر کی تنخواہ	170133
(۲)	پانی کا ٹیکس مدرسہ کا ٹیکس جمع کیا	1324
(۳)	بجلی کا بل، چیک میٹر، نیا بیٹرا، ایک چین اوور لگا بجلی کا نیا میٹر لگا، نیا جنریٹر آیا، جنریٹر کی فیٹنگ ہوئی ٹول خر	33168
(۴)	(مدرسہ کی اسٹیشنری کا خرچ	300
(۵)	مدرسہ کا چینبر اور عمارتی کام پر خرچ	36781
(۶)	بچے دو دن کھیل میں گئے نائک جدونا تھ سنگ اسپورٹ اسٹیڈیم، ہتھوڑا شاہجہاپور میں دو دن کا کل خرچ	1610
(۷)	کھیل کود میں شرکت کرنے کے لیے جمع کیے	2000

لیکن اقبال حسین عرف پھول میاں نے اس کی رسید نہیں دی۔		
(۱)	2016ء کی بچی رقم میں شامل کردی۔ رقم (پچاس ہزار روپے) 50002 روپے	
(۲)	2017ء کی آمدنی	453830 روپے
(۳)	2017ء کا خرچ	465361 روپے
(۴)	2017ء کی بچی رقم	11531 روپے

نوٹ: آمد و خرچ کی تفصیل رجسٹرڈ میں درج ہے جو حضرات دیکھنا چاہیں ہم انہیں دکھا سکتے ہیں، بشرط خلوص ہے۔

من جانب: الحاج شفیع اللہ منصوری، محمد زئی، صدر مدرسہ غوث الثقلین

بینک اکاؤنٹ مدرسہ غوث الثقلین مہمند ہدف شاہجہاں پور، باڑوزئی اول، نزد پیلی مسجد وجیہ بینک اکاؤنٹ نمبر 714901101961، آئی ایف ایس سی کوڈ نمبر 7149

اپیل: مخیر حضرات سے اپیل ہے کہ بینک کے ذریعے سے بھی تعاون کر سکتے ہیں۔

خازن: الحاج محمد حنیف عرف رجو، ٹی اسٹال، نزد کھگا لال محل، باڑوزئی اول، شاہجہاں پور (یوپی)

منظر نامہ

سفر نامہ قرطبہ

خاموش اذانیں ہیں تیری یادِ سحر میں

محمد فروغ القادری★

وارفتگی شوق کے ہجوم میں مسجد قرطبہ کو دیکھ کر وہ پکار اٹھتے ہیں

اے حرم قرطبہ ! عشق سے تیرا وجود !
عشق سراپا دوام ، جس میں نہیں رفت و بود
رنگ ہو یا خشت و سنگ، چنگ ہو یا حرف صوت
معجزۂ فن کی ہے ، خون جگر سے نمود (اقبال)

کہ اے مسجد قرطبہ! تو بڑی ہی مقدس اور عظیم ہے۔تیرے تقدس اور وجود کو زمانہ نہ مٹا سکا۔تو اپنی جگہ گردش ایام کے باوجود قائم ودائم ہے۔تجھے عشق نے دوام بخشی ہے کیوں کہ عشق بذات خود سراپا دوام ہے۔فن تعمیر جو مصوری ہو،رنگوں کی خوشنما آویزش ہو،شاعری یا اعجاز ہنر ہو،بہر حال ان سب کا کمال خون جگر کی بدولت ہے۔کائنات پر کمندیں ڈالنے والے اصحاب فقر وغیور کا خون جگر شامل ہے۔

علامہ اقبال مسجد قرطبہ کی فضاؤں سے مسحور ہو کر نغمہ سرا ہوتے ہیں کہ

تیری فضا دل فروز میری نوا سینہ سوز !
تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کی کشود !

مسجد قرطبہ کے اُن ستونوں پر قیمتی جواہرات اور پتھروں سے مرصع محراب بنے ہوئے ہیں۔اس کا صدر دروازہ اس کی شان وشوکت کا امین ہے۔مسجد کے محراب پر آیات قرآن کندہ ہیں مگر اب یہ صدیوں سے کلام الٰہی کی تلاوت کی ساعتوں سے محروم کسی پاسبان کعبہ کا منتظر ہے۔اس کے بلند وبالا میناروں سے اذان بلال کے رنگ وآہنگ کا عکس دور دور تک پھیلا ہوا محسوس ہوتا ہے۔مسجد کے ستون مسجد نبوی شریف کے ستون سے بے حد مشابہ ہیں۔مسجد کی چھت خوبصورت زرنگار چوبی پٹیوں سے آراستہ ہے۔مسجد کے وسط میں ایک بڑا گنبد ہے جہاں چند لمحے کھڑے ہو کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خدائے لم یزل کی عظمت و کبریائی کے لاہوتی نغمے آج بھی یہاں سے کفر وشرک کی وادیوں میں زلزلے ڈال رہے ہیں۔آج بھی مسجد قرطبہ مرد مومن کی قوت ایمان اور اس کے جلال وجمال کی شاہکار ہے جس کی تعمیر اُن غیرت مند اور عابد شب زندہ دار بندگان خدا کے ہاتھوں ہوئی ہے جو تاریخ انسانی میں ہمیشہ زندہ تر اور پائندہ تر رہیں گے جن کے حسین تخیل سے ہمارے تصورات کی شاہراہیں صبح قیامت تک روشن رہیں گی۔

ترا جلال و جمال مرد خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جمیل تو بھی جلیل و جمیل
تیری بنا پائدار ، تیرے ستوں بے شمار
شام کے صحرا میں جیسے ہجوم نخیل ! (اقبال)

اے مسجد قرطبہ! تیری بنیادیں مضبوط ہیں کیوں کہ ان کو نسبت ہے ایک مرد آہن کے مضبوط اور پرعزم ہاتھوں سے۔اے مسجد قرطبہ! تیرے ستونوں کا ہجوم اتنا حسین ودلکش ہے جیسے صحرا میں لہلہاتے قطار در قطار بے شمار کھجوروں کے درخت ہوں۔علامہ اقبال نے اپنے مشاہدات میں انھیں کیفیات کا برمحل تذکرہ فرمایا ہے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ اندلس (ہسپانیہ) میں عبدالرحمٰن اول کے بعد ہشام بن عبدالرحمٰن اول (۷۵۷۔۷۹۶ءقرطبہ) اقتدار پر متمکن ہوئے اور انھوں نے بھی مسجد قرطبہ کی توسیع وتزئین اور انتظامی امور میں نمایاں طور پر حصہ لیا۔اپنے مال غنیمت کا پانچواں حصہ مسجد کے لیے وقف کر دیا۔اس میں مسجد کا عظیم الشان مینار بھی شامل ہے۔بعد کے دوسرے ارباب مملکت نے بھی اس جانب توجہ دی۔مسجد قرطبہ سے متصل ہی عظیم اسلامی درسگاہ اور بیت الحکمۃ تعمیر کی گئی جہاں برسوں تک یورپی اور عیسائی طلبہ مسلم مدرسین سے استفادہ کرتے رہے۔اندلس پر صدیوں سے محیط مسلمانوں کے اقتدار کا خاتمہ ان کے آپسی اختلاط اور ذاتی مخاصمت کی بنیاد پر ہوا۔عیسائی بادشاہ فرڈینڈ نے نہایت ہی حکمت عملی کے ساتھ مسلمانوں کی آپسی رنجش کا فائدہ اٹھا کر پورے اسپین پر قبضہ کر لیا۔اس کے بعد مسجد قرطبہ کو چرچ ''کلیسا گھر'' میں تبدیل کر دیا۔ارباب تثلیث نے اپنے عقیدے کے مطابق ممبر پر پتھر سے تراشے ہوئے اصنام رکھ دیے۔

یقین جانیں! اس منظر سے گزرتے ہوئے میرے دل ودماغ پر جو اثرات مرتب ہوئے ہیں اسے لفظوں میں بیان کرنے سے قاصر ہوں۔میرے حواس میری گرفت سے باہر تھے۔اقوام عالم میں فتح و

شکست کی تاریخ پڑھی جاتی رہی ہے مگر اندلس کا زوال ان سب سے مختلف ہے۔ مسجد قرطبہ میں جب تک میں رہا، ہندوستان کی بابری مسجد میری نظروں کے سامنے گھومتی رہی۔ مسجد قرطبہ اور بابری مسجد کے درمیان بہت سی مماثلت موجود ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ مسجد قرطبہ چند تبدیلیوں کے باوجود اپنی اسی اصل حالت میں موجود ہے جبکہ بابری مسجد کو فرقہ پرست ہندوؤں نے شہید کر دیا۔ مسجد قرطبہ کے در و دیوار پر قرآن عظیم کی آیات کریمہ کی نقاشی آج بھی دعوت نظارہ دیتی ہے۔ دنیا بھر سے سیاح یہاں آتے ہیں اور مسلمانوں کی درخشاں ماضی کے گہرے نقوش دیکھ کر لوٹ جاتے ہیں۔ مسجد قرطبہ کے وسیع و عریض صحن میں عطر بیز فوارے اور کھجوروں کے درخت بھی مسلم ارباب کی نشانیوں میں سے ہیں جس سے ان کی یاد تازہ رہتی ہے۔

مسجد کے تمام گوشوں میں اونچی دیواروں پر لکھی گئی قرآنی آیات اور جلی حروف میں پتھروں پر کندہ ''لا غالب الا اللہ'' پھر کسی موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد کو آواز دے رہی ہیں۔ مسجد قرطبہ کے وسطی اور مرکزی ہال میں لگے ہوئے روشنیاں بکھیرتے ہوئے فانوس بھی اس بات کا تقاضہ کرتے ہیں کہ ''شب گریزاں ہوگی آخری جلوۂ خورشید'' سے کسی درد مند دل مسلمان کے لیے یہ بات کس قدر صبر آزما اور تکلیف دہ ہوگی کہ صدیوں تک جو مسجد اپنے اللہ کے حضور سجدہ گزاروں سے آباد رہی، آج وہاں کوئی مسلمان نماز نہیں پڑھ سکتا۔ ہاں البتہ ارباب کلیسا اپنے عقیدے کے مطابق اپنے مذہبی رسوم ادا کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر علامہ اقبال ان خوش نصیبوں میں ہیں کہ جب وہ ۱۹۳۳ء میں اسپین مسجد قرطبہ کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے تو خصوصی اجازت کے ساتھ یہاں نماز دوگانہ پڑھنے کا شرف انھیں حاصل ہوا۔ اسی مقام پر انھوں نے اپنی مشہور نظم ''مسجد قرطبہ'' لکھی جس کا ایک ایک لفظ عشق وایمان کے عرق لطیف میں ڈوبا ہوا ہے۔ اس پوری نظم کو علامہ اقبال نے مسجد قرطبہ میں بیٹھ کر لکھا ہے جس میں ان کے مشاہدات کے انمٹ نقوش شامل ہیں۔ یوں تو اقبال کو یورپ میں ہر جگہ مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کے اثرات اور ان کی عظمت کی نشانیاں نظر آئیں جن کا انھوں نے برملا کئی مقامات پر اپنے اشعار میں تذکرہ کیا ہے لیکن انھوں نے جب مسجد قرطبہ میں قدم رکھا تو اُن پر عالم بے خودی میں وجد کی کیفیت طاری ہوگئی۔

میرا اپنا یہ خیال ہے کہ انھوں نے سب سے پہلے یہ پایا ہوگا کہ بارگاہ ایزدی میں سر بسجود ہو کر طارق بن زیاد کے اُن جفاکش شہ سواروں کی یاد تازہ کریں۔

علامہ اقبال نے قرطبہ کے نگہبان سے کہا کہ میں یہاں اذان دینا اور نماز پڑھنا چاہتا ہوں۔ اس نے جواب دیا کہ ٹھہر جایئے! میں یہاں کے بڑے پادری سے اجازت لے کر آتا ہوں۔ وہ چند لمحے بھی انتظار نہ کر سکے اور جب نگہبان بڑے پادری سے اجازت لے کر آیا تو علامہ اقبال دو رکعت نماز نفل ادا کر چکے تھے۔ آہ سجدہ گاہی کا عالم یہ تھا کہ ان کے رخسار بہتے ہوئے آنسوؤں سے دھل چکے تھے۔ اقبال خود اعتراف کرتے ہیں کہ مسجد قرطبہ کی زیارت نے مجھے جذبات کی ایسی رفعت پر پہنچا دیا جو مجھے پہلے کبھی بھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔ انھوں نے کیف میں ڈوب کر مسجد قرطبہ کے جاہ وجلال پر ایک تاریخ اور یادگار نظم لکھی۔

اس نظم کے متعلق یہ بالکل درست کہا گیا ہے کہ اگر اقبال اپنی زندگی میں صرف ''مسجد قرطبہ'' ہی لکھتے تب بھی یہ نظم ان کو اقبال کہلانے کے لیے کافی تھی۔ اقبال کی کتاب ''بال جبریل'' کی نظم مسجد قرطبہ کا پہلا بند ان اشعار سے شروع ہوتا ہے

سلسلۂ روز و شب نقش گر کائنات !
سلسلۂ روز و شب ، اصل حیات و ممات !
سلسلۂ روز و شب ، تارِ حریر دو رنگ
جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات

حقیقت یہ ہے کہ اس نظم کا پہلا بند اُس وقت یعنی ۱۹۳۳ء تک کے مروّجہ شعری نظریے کی براہ راست عکاسی ہے اور ساتھ ہی فلسفۂ زمان ومکان کے سلسلے میں اقبال کے نظریے کا یہ بند پیش لفظ یا تعارف (Introduction) ہے۔ اس پیش لفظ کے بعد اقبال اپنے فکر وفن اور نظریۂ صناعیت کی گہرائیوں میں اتر جاتے ہیں۔ اقبال سے پہلے کے گزرے ہوئے ممتاز شعراء جن میں حافظ شیرازی، شیخ سعدی وغیرہ شامل ہیں بلکہ اکثر صوفیائے کرام بھی اس نظریے سے متاثر رہے ہیں جو اوپر دیے ہوئے اشعار میں نمایاں ہیں۔ البتہ صوفی شاعر حضرت مولانا رومی نے اس نقطۂ نظر سے انحراف کی ابتدا کی اور اقبال نے صرف اس مسلک کو آگے بڑھایا بلکہ انتہائی مدلل اور بااثر طریقے سے فنا کو زندگی کی ایک منزل ثابت کیا اور دنیا کی بے ثباتی کو حادثات زمانہ قرار دے کر بقائے دوام سے ہمکنار کر دیا۔ علامہ اقبال اسی نظم میں

کچھ آگے چل کر ایک عجیب سی وجدانی کیفیت میں ڈوبے نظر آتے ہیں۔عشق ومستی سے سرشار،شاہراہ عشق وعرفان پر اپنے افکار وخیالات کے موتی بکھیرتے چلے جاتے ہیں۔وہ مسجد قرطبہ کو کیف وسرور اور عالم بےخودی میں ''حرم قرطبہ'' کہہ کر خطاب کرتے ہیں۔

اے حرم قرطبہ ! عشق سے تیرا وجود
عشق سراپا دوام جس میں نہیں رفت و بود
تیری فضا دل فروز میری نوا سینہ سوز !
تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کا کشود

چند قدم آگے مسجد قرطبہ کو یوں مخاطب کرتے ہیں جس سے ان کے جذبۂ شوق اور اسلام کی عظمت کے حوالے سے ان کے عقیدۂ راسخ کا پتہ چلتا ہے کہ

تیرے در و بام پر وادی ایمن کا نور
تیرا منارِ بلند جلوہ گہ جبرئیل
مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلماں کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سر کلیم و خلیل　(اقبال)

یہاں اقبال نغمہ سرا ہیں اور جذب ومستی کے عالم میں اس مرد خدا کو جس نے مسجد قرطبہ کی تعمیر کی ''مرد مسلمان'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ مسلمان کبھی مٹ نہیں سکتا۔اس کی اذان رہتی دنیا تک موسیٰ کلیم اللہ اور ابراہیم خلیل اللہ کی تابناک زندگیوں کے رموز آشکار کرتی رہے گی۔مرد مسلمان کے لیے نہ کوئی زمین مخصوص ہے نہ کوئی آسمان۔سارے دریا،سمندر،پہاڑ اور فضائیں اس کے احاطۂ تسخیر میں ہیں۔مرد مسلمان کی داستانیں قابل رشک ہیں۔ان کے زمانے بھی بڑے نرالے اور عجیب ہیں،ان کا اِس درجہ یقین واعتماد اپنے اللہ پر ہے کہ وہ اس فرسودہ زمانے کو رخصت کر کے ایک دور کا آغاز کر سکتے ہیں۔یہ انھیں کی دِقت طرازیوں اور صحرانوردی کا ثمرہ تھا کہ انھوں نے عہد کہن کو اپنے عمل خیر اور پاکیزہ نفس کے ذریعے روشن وتابناک اور ترقی یافتہ دور میں بدل دیا۔

مسجد قرطبہ کے پانچویں بند میں اقبال کے تصور میں طارق بن زیاد فاتح اسپین کے بہادر سپاہی ہیں۔ان کے جذبۂ عمل اور نظریۂ عشق ومحبت کا شاہکار مسجد قرطبہ نگاہوں کے سامنے ہے۔اس وقت اقبال اس مرد سپاہی سے مخاطب ہیں اور اسے بندۂ مومن رموزِ باطن کا مظہر قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں

تجھ سے ہوا آشکار بندۂ مومن کا راز !
اس کے دنوں کی تپش اس کی شبوں کا گداز
اس کا مقام بلند ، اس کا خیال عظیم
اس کا سرور اس کا شوق ، اس کا نیاز اس کا ناز
ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں ، کار کشا کار ساز　(اقبال)

مسجد قرطبہ کی زیارت کے پورے دورانیے میں علامہ اقبال کی یہ نظم قرطبہ میرے تصورات کی شاہکاروں پر ماضی کی گزرگاہوں میں رو پوش آرزوؤں،امنگوں اور حوصلوں کی ناقابل فراموش تاریخ کی صدائے بازگشت بکھیرتی رہی۔مجھے اس پوری نظم کو مسجد قرطبہ اسپین میں کھڑے ہو کر پڑھنے کا شرف حاصل رہا۔جانباز شاہینوں کے مقدس ہاتھوں سے تعمیر اُس عظیم الشان مسجد کے خدوخال میں پوشیدہ مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو اس نظم کی اشک بار آنکھوں سے میں نے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔یہ نظم قرطبہ اور اندلس کے پورے سفر میں خضر راہ کی حیثیت سے میری رہنمائی کرتی ہے۔گویا کہ معنوی طور پر روح اقبال کی رفاقت میرے شامل حال اور شریک سفر رہی۔

کعبۂ ارباب فن سطوتِ دین مبیں
تجھ سے حرم مرتبت اندلیسوں کی زمیں

(اقبال)

اسپین خصوصاً مسجد قرطبہ کی زیارت کا شوق مجھے بچپن سے تھا جب میں الٰہ آباد بورڈ یوپی سے کامل کے امتحان کی تیاریاں کر رہا تھا۔اسی دوران مجھے علامہ اقبال کی مشہورِ زمانہ نظم ''مسجد قرطبہ'' پڑھنے کا اتفاق ہوا مگر مجھے اندلس،غرناطہ اور قرطبہ سے تفصیلی آشنائی اس وقت ہوئی جب میں نے اس موضوع پر نسیم حجازی کی کتاب ''شاہین'' پڑھی پھر وہیں سے مجھے مسجد قرطبہ اور قدیم اندلس کو دیکھنے کا شوق بڑھا پھر کہیں برسوں کی شدت انتظار کے بعد میرے یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوئے۔

میں اپنے پسندیدہ اور محبوب مؤرخ،زرگنار صاحب قلم نسیم حجازی کی چند سطور پر اپنے مضمون کا اختتام کرتا ہوں،وہ لکھتے ہیں کہ

''تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ قدرت بلاوجہ کسی قوم کو اپنے انعامات سے سرفراز نہیں کرتی اور نہ بلاوجہ اس سے اپنے عطا کیے ہوئے انعامات چھینتی ہے۔اندلس کے مسلمانوں کا عروج وزوال قانون فطرت کے عین مطابق

تھا۔ پہلی صدی ہجری کے آخر میں اندلس کے ساحل پر اُن مٹھی بھر سر فروشوں کی کشتیاں لنگر انداز ہوئیں جن کے سالار کا نعرہ بقول اقبال یہ تھا:

ہر ملک ملک ما ست کہ ملک خدائے ما ست

آسمان نے روئے زمین کے کسی خطے پر شاید اتنی صدیاں کسی جماعت یا قوم کا وہ اقتدار نے دیکھا ہو جو، اندلس میں مسلمانوں کو نصیب ہوا لیکن آٹھ سو سال بعد یہی قوم بے بسی کے آنسوؤں سے اپنی تاریخ کا آخری باب لکھ رہی تھی۔ یہ باب جس قدر دردناک ہے اسی قدر سبق آموز بھی ہے لیکن یہ کوئی غیر متوقع حادثہ نہ تھا۔ حالات انھیں مستقبل کے خطرے سے آگاہ کر چکے تھے۔ اندلس میں قرطبہ، اشبیلیہ، طلیطہ اور دوسرے مقامات چھن جانے کے بعد غرناطہ مسلمانوں کا آخری حصار بن چکا تھا۔ وہ دشمن کے عزائم سے واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ غرناطہ میں مغلوب ہو جانے کے بعد انھیں ظلم واستبداد کے اسی طوفان کا سامنا کرنا پڑے گا جو اندلس کے باقی حصوں کے مسلمان دیکھ چکے تھے لیکن اس کے باوجود وہ اجتماعی خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک متحدہ محاذ نہ بنا سکے۔ مجاہدین کے گروہ میدان میں آئے لیکن ان کا عزم اس قوم کی تقدیر نہ بدل سکا جس کا اجتماعی کردار فنا ہو چکا تھا۔ ان جانبازوں کے لیے باہر کے دشمن کی نسبت گھر کے غدار کہیں زیادہ ناقابل تسخیر ثابت ہوئے۔

غرناطہ میں ہلال وصلیب کی جنگ محض ایک حکومت کا دوسری حکومت یا، ایک فوج کا دوسری فوج کے ساتھ تصادم نہ تھا بلکہ دو مختلف قوموں، دو مختلف نظریوں اور دو مختلف تہذیبوں کا تصادم تھا۔ قسطلہ اور ارغوان کے عیسائیوں کو جس مشترکہ خصوصیت نے منظم اور متحد کر دیا تھا وہ ان کی اسلام دشمنی تھی۔ اندلس کے مسلمانوں کا نام ونشان مٹانے کے لیے وہ ایک ہو چکے تھے لیکن مسلمان اپنے ہر افق پر تباہی و بربادی کی گھٹائیں دیکھ کر بھی اپنے اجتماعی جذبۂ مدافعت کو بروئے کار نہ لاسکے۔ وہ یہ ثابت نہ کر سکے کہ اگر تمام کفر ایک ہے تو تمام اسلام بھی ایک ہے۔ ان میں عربی، اندلسی اور بربری کے اختلافات اُس وقت بھی موجود تھے جب دشمن ان کے دروازوں پر دستک دے رہا تھا۔''

جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
روحِ امم کی حیات کشمکش انقلاب!

(اقبال)

پھر آگے چل کر نسیم حجازی مسلمانانِ اندلس کے اجتماعی زوال کے پس منظر کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اندلس کی وہ داستان جسے بیان کر کے قوم کو مستقبل کے خطرات سے آگاہ کرنا چاہتا تھا، ہندوستان کے طول وعرض میں دہرائی جاچکی ہے۔ میرے نزدیک اندلس کی ہندوستان میں مسلمانوں کا قتل عام بھی اتفاقی حادثہ نہیں۔ ہم دشمن کے عزائم سے ناواقف نہ تھے۔ اس کی گزشتہ تاریخ ہمارے سامنے تھی۔ ہم دیکھ رہے تھے کہ وہ متحد اور منظم ہو رہا ہے لیکن اس کے باوجود ہم خطرات کا سامنا کرنے کے لیے تیار نہ ہو سکے۔ ہم میں وہ غدار موجود تھے جو مساجد میں کھڑے ہو کر اسلام دشمن قوتوں کو دوست کا ڈھنڈورا پیٹا کرتے تھے۔ وہ شکست خوردہ ذہنیت کے لوگ موجود تھے جو، یہ تبلیغ کیا کرتے تھے کہ اکثریت اگر آدم خوروں کی ہو تو بھی وہ انسانوں پر حکومت کا حق رکھتی ہے۔

محمد بن قاسم، محمود غزنوی اور احمد شاہ ابدالی کے جانشینوں کا خون ابھی تک سرخ ہے لیکن وہ بڑی جنگ جس کی یہ ایک تمہید ہو سکتی ہے، ایک گروہ، ایک فوج اور ایک حکومت کا، دوسری فوج یا حکومت کے ساتھ تصادم نہیں ہوگا بلکہ یہ دو قوموں، دو تہذیبوں اور دو نظریوں کا ایک فیصلہ کن معرکہ ہوگا، یہ وہ جنگ ہوگی جس میں مسلم دشمن قومیں اس برعظیم سے اسلام کا نام مٹانے کے لیے پوری قوت کے ساتھ میدان میں آئیں گی اور یہاں کے آباد مسلمان اگر زندہ رہنا چاہتے ہیں تو اپنے عزم کا ثبوت دینا ہوگا۔'' (نسیم حجازی کی کتاب شاہین سے اقتباس)

موجودہ حالات کے پس منظر میں اسلامیان ہند کی زوال پذیری کے اسباب بھی اسپین کے مسلمانوں سے کم نہیں۔ اللہ اپنا خصوصی فضل فرمائے۔ اسپین کے سفر سے میں اب لندن واپس ہو چکا ہوں۔ اِن شاء اللہ جلد ہی مراکش، الجزائر، تیونس، قبرص اور مشرقی یورپ کے ممالک کے لیے آمادۂ سفر ہوں جہاں کی دیواروں پر اربابِ دعوت وعزیمت کے زریں نقوش امتدادِ زمانہ کے باوجود آج بھی باقی ہیں۔

اگر عثمانیوں پر کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

☆☆☆

☆ نمائندہ ورلڈ اسلامک مشن انگلینڈ 0044779109739
1/2, 24 Queen Mary Avenue, Queen park,
glasagow G 428 DT (U.K.)

پس منظر

قلیل مدتی اسلامی نظام تعلیم: افادیت وضرورت

آن لائن اسلامی تعلیم اور سالانہ اسلامک سمر کلاسیز جیسے کورسیز اصلاح معاشرہ کے حوالے سے نہایت مفید اقدامات ہیں

محمد ضیاء البشر★

اسلام میں تعلیم: ایک باشعور، عزت دار، مطمئن زندگی گزارنے کے لئے بہت سے اہم عناصر کی ضرورت ہوتی ہے ان میں سب سے اہم عنصر علم ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب، حکومتوں اور تہذیبوں میں علم کا تصور پایا جاتا ہے لیکن اسلام کا تصور علم ان میں سب سے ممتاز ہے۔ یہ اس طرح کہ اسلام کا سب سے پہلا حکم ہی جو وحیٔ الٰہی بن کر انسانوں کے پاس آیا وہ علم حاصل کرنے کے تعلق سے ہے:

اقراء باسم ربك الذی خلق خلق الانسان من علق اقراء وربك الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم (۱)

ارشاد نبوی ہے: طلب العلم فریضة علیٰ کل مسلم و مسلمة۔ (۲) ان کے علاوہ بھی قرآن شریف کی متعدد آیات و احادیث اس سلسلے میں وارد ہیں ساتھ ہی صحابہ کرام تابعین تبع تابعین اولیاءعظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال افعال بھی دنیا کے سامنے ہیں کہ اسلام میں تعلیم کا مقصد فرد کو اللہ کا صالح بندہ بنانا ہے۔

تاریخی پس منظر: اسلام کے دور اول سے آج کے جدید دور تک مسلمان علم کو اپنی دنیاوی واخروی کامیابی کا راز مانتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آج بھی ہم اپنے درمیان ایسی درسگاہوں کو پاتے ہیں جہاں علم حاصل کیا جاتا ہے۔ عہد نبوی ﷺ سے یہ علمی انقلاب شروع ہو، آج تک یہ اپنی راہ پر گامزن ہے۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمان جہاں بھی رہے ہیں انھوں نے اپنے نظام میں تعلیم کو خاص جگہ دی ہے اور اس کو اپنا فریضہ مانا ہے۔

ہمارے ملک ہندوستان میں بھی جب اسلام کی آمد ہوئی تو مسلمانوں نے اللہ کے حکم اول پر عمل کرتے ہوئے تعلیم حاصل کرنے میں اپنی جد و جہد صرف کی اور اسے عام کرنے کی پوری کوشش کی۔ یہ ہی وجہ ہے کہ آج ہر جانب ہمیں اسلامی درسگاہیں نظر آتی ہیں۔

ہندوستان کے ہر اسلامی دور میں اسلامی تعلیم کے مراکز قائم کیے گئے۔ شروع شروع میں مساجد ہی کو اس کے لئے استعمال کیا گیا پھر جیسے جیسے مسلمان عہدوں پر فائز ہوتے گئے انھوں نے اپنے علاقوں میں مستقل مدارس قائم کیے جن میں اس وقت کے تمام مروجہ علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس وقت اسلامی علوم اور غیر اسلامی علوم کی تفریق نہ تھی۔ اے کاش! یہ تفریق پیدا ہی نہ ہوتی تو صورت حال کچھ اور ہی ہوتی۔

بہر کیف اس وقت کے انہی مدارس اور اداروں سے علم کے تمام شعبے سیراب ہوتے تھے لیکن جب فرنگی حکومت نے ہمارے ملک کو ہتھیا لیا تو انھوں نے اپنا ذاتی نظام تعلیم مسلط کیا، ساتھ ہی مدارس کی تعلیم کو بھی باقی رکھا مگر ڈگری کی اہمیت ختم کردی جس سے مدرسہ کا ایک پڑھا لکھا انسان بھی اَن پڑھ گردانا جانے لگا۔

پہلے انھیں مدارس کے فارغین ہر منصب کے لائق ہوا کرتے، کوئی قاضی بنتا کوئی وکیل بنتا کوئی محتسب بنتا تو کوئی انتظام مملکت کا رکن اور انہی میں کوئی امام و مدرس بنتا تو کوئی مفتی وخطیب غرض جس کی جو مرضی ہوتی وہ انہی مدارس سے پوری ہوجاتی مگر اب صرف فرنگی تعلیم کے فارغین ہی ملک کے نظام مملکت میں حصہ دار بن سکتے تھے اور تب ہی سے مدارس کے فارغین مساجد و مدارس تک محدود ہوکر رہ گے پھر رفتہ رفتہ اسی کو مقدر سمجھ لیا پھر بھی آج علمائے کرام باوجود ایک مزدور کی تنخواہ سے بھی کم پر دین متین کی خدمت انجام دے رہے ہیں کیونکہ اسلام کے نظریہ تعلیم میں معاوضہ کو بہت کم اہمیت ہے اسی استاد کو زیادہ لائق سمجھا گیا ہے جو معاوضہ کو زیادہ اہمیت نہ دے اور خالصتاً اسلام کی خدمت انجام دے۔

بہرحال مسلمانوں میں اسلامی تعلیم کی اہمیت برقرار رہی انھوں نے اسلامی تعلیم کو حاصل کیا حتی کہ جب فرنگیوں نے مدارس و مساجد کی امداد بند کردی تو مسلمانوں نے عوامی چندوں پر اپنے مدارس کو برقرار رکھا۔ قطع نظر موجودہ مدارس کی خستہ حالی کے اب بھی مدارس اور اسلامی مراکز میں

اسلامی تعلیم دی جاتی اور حاصل کی جاتی ہے اور ایسا نہیں کہ صرف مدارس کا حال اچھا نہیں بلکہ ہمارے ملک میں اسکول، کالج اور یونیورسٹی کی حالت بھی کچھ خاص بہتر نہیں۔ جتنے فارغین مدرسہ بے روزگار ہیں اس سے کہیں زیادہ کالج اور یونیورسٹی کے فارغین بھی ذریعہ معاش سے محروم ہیں، البتہ اس بحث کی یہاں چنداں ضرورت نہیں۔

نظام تعلیم: اسلامی تعلیم مختلف طریقوں سے حاصل کی جاتی ہے ہمہ وقتی، جز وقتی، فاصلاتی، ہفتہ وار آن لائن اور اب ایک اور نظام پایا جا رہا ہے جسے ''قلیل مدتی نظام تعلیم'' سے تعبیر کیا جاتا ہے جس میں اسلام کی بنیادی اور ضروری چیزوں کی تعلیم دی جاتی ہے جیسے بنیادی عقائد، قرآن کو صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھنا اور کچھ حد تک معانی سے بھی روشناس کرایا جاتا ہے۔ ساتھ ہی طلباء کو نماز، روزہ، زکوۃ، حج، پاکی ناپاکی، حلال وحرام اور اخلاقیات وغیرہ۔ غرض یہ کہ روزمرہ کے امور سے آگاہ کرایا جاتا ہے اور انہیں تربیت بھی دی جاتی ہے اور یہ نظام ہمارے ملک ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ پوری دنیا میں جاری ہے:

جیسے حجاز مسلم کالج (آن لائن) اسلامک اکیڈمی ،امریکہ Cambridge Islamic College (۳)

The Rahmah Foundation, U.S.A (۴) میں بھی اس کا اہتمام ہے اور خاص طور سے ہمارے ملک میں ایسے قلیل مدتی اسلامی نظام تعلیم کا چلن شمالی ہند کے مقابل جنوبی ہند میں زیادہ ہے ان کو الگ الگ ناموں سے منعقد کیا جاتا ہے کہیں فہم دین، تجوید قرآن، قرآن ورک شاپ، آؤ دین سیکھیں اور کہیں اسلامی سمر اسکول یا سمر کلاسیز (وغیرہ)

اس نظام چلانے والی تنظیموں میں (۵) Mesco Aleef حیدرآباد ہے جو مختلف صوبوں میں مختلف جگہوں پر اس نظام کو چلاتی ہے (۶) جماعت اسلام (۷) مسجد عباد الرحمان، گول کونڈا حیدرآباد (۸) New Generation Education Society bangalore (۹) Al Hikmah Institute (۱۰) Huda Institute Hyderabad Banglore (۱۱) مرکز السلام لنشر الاسلام مدراس، (۱۲) امام احمد رضا اکیڈمی بریلی ہیں۔ (۱۳) از ہر اسلامک سمر کلاسیز، بدایوں، پیغام اسلام اسلامک سمر کلاسیز، جمشید پور، دعوت قرآن اسلامک سینٹر خضر پور، کولکاتہ (وغیرہ)

اس طرح کا قلیل مدتی اسلامی تعلیمی پروگرام اور کورس انٹرنیٹ پر آن لائن بھی ہوتا ہے جو مختلف مخیر افراد و ادارے کراتے ہیں اور اب کچھ، اسکول کالج اور یونورسٹیوں میں بھی ہے اس کا اہتمام ہے اور کچھ جگہ تو باقاعدہ شعبہ بھی موجود ہیں جیسے جامعہ ہمدرد، علی گڑھ مسلم یونورسٹی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ وغیرہ اور اپنی راہ پر گامزن۔ اسلامی تعلیمی پروگرام چلائے جا رہے ہیں۔

اس نظام کا فائدہ اسکول اور یونیورسٹی کے طلباء، کام کاج میں مصروف لوگ اور گھریلو عورتوں کو بہت ہوتا ہے کیونکہ ان کورسیز کو ڈیزائن ہی ان کو مدنظر رکھ کر کیا جاتا ہے اور اکثر جگہ تعطیل کلاس میں ہی جاری کیا جاتا ہے۔ خواتین کی شمولیت ان کورسیز میں زیادہ اہم ہے کیونکہ اگر ایک مرد علم حاصل کرتا ہے تو وہ صرف اُسی کے لئے ہوتا ہے لیکن اگر ایک عورت کو اسلامی تعلیم سے مزین کر دیا جائے تو ایک پوری نسل کو فائدہ ہوتا ہے کیونکہ کل اسی سے ایک نسل کو چلنا ہے آج جبکہ ہر طرف سے اسلامی تہذیب پر انگلی اٹھائی جا رہی ہے اس صورت میں ہماری ماؤں اور بہنوں کا اسلامی اقدار سے روشناس ہونا نہایت اہم ہے، اسی وجہ سے ایسے کچھ ادارے ہیں جو عوتوں کو بھی اس کم مدتی اسلامی تعلیم کی فراہمی کا بھی انتظام کرتے ہیں اور اکثر اُن کورسیز میں داخلہ کے لیے کوئی سخت قانون نہیں بنایا جاتا ہے تاکہ جو اپنی مصروفیت کے سبب باقاعدہ اسلامی تعلیم کو کسی کورس کی شکل میں مدرسہ یا کسی اسکول یا یونورسٹی جا کر حاصل نہیں کر سکتے تو وہ بھی با آسانی اس میں داخلہ لے سکیں اور ان کورسیز سے اسلامی بنیادی تعلیم حاصل کر سکیں۔

یہ ایک بہت اچھی پہل ہے ہمیں ان کورسیز کو زیادہ سے زیادہ جگہ منعقد کرنا چاہیے اور اسے خوب فروغ دینا چاہئے لوگوں میں اس کی اہمیت بتانا چاہئے انہیں اس کی طرف راغب کرنا چاہئے ساتھ ہی انہیں اس کا کوئی سرٹیفکٹ بھی دینا چاہئے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اسلام سے روشناس اور قریب ہوں سکیں اور اپنی دنیا و آخرت کو سنوار سکیں۔

ساتھ ہی ایک بات اور بیان کرنا مناسب لگتا ہے جیسے ہم قلیل مدت کے کورسیس کے ذریعہ اسلامی بنیادی تعلیم سے اسکول اور یونورسٹی کے طلباء کو اسلامی تعلیم سے آگاہ کر سکتے ہیں ٹھیک اسی طرح قلیل مدتی کورس مدارس کے طلباء کے لئے بھی چلائے جائیں جن میں طلباء مدارس کو ضروری دنیاوی علوم (حساب، سائنس، سوشل سائنس، کمپیوٹر اور

انگریزی وغیرہ) سکھائے جائیں حالانکہ بہت سے مدارس میں دنیاوی علوم کی تعلیم بھی دی جاتی ہے مگر اسے اور بڑے پیمانے پر کرنے کی ضرورت ہے تاکہ مدارس کے طلباء و فارغین کو روزمرہ آنے والے کام انجام دینے میں کسی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

یہ کام آسان نہیں کہ طلباء و فارغین مدارس کو دنیاوی علوم کا کا ماہر بنایا جائے کیونکہ اگر ہم مدارس کے طلباء کو پوری طرح ان دنیاوی علوم سے آراستہ کرنا چاہیں تو بہت وقت درکار ہے جبکہ خود مدارس کا نصاب تعلیم بہت طویل مدتی ہے۔ اگر دونوں علوم مکمل طور پر حاصل کریں تو دشواری ہوگی کونکہ یہ دور اسپیشلائزیشن کا دور ہے۔ آج قوم کو اچھے علماء کی سخت ضرورت ہے جو آئے دن اٹھنے والے اعتراضات کا قلع قمع کر سکیں۔ ان کی پکڑ اصل مبادیِ اسلام (قرآن وحدیث) پر گہری ہو۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ ان پر صرف اسلامی علوم ہی کی ذمہ داری ہو، ورنہ ہماری اسلامی قیادت کی تکمیل مشکل ہوجائے گی۔

بہرکیف اِن انٹرچینج پروگرام کو فروغ دینے کی اشد ضرورت ہے جس سے ہمارے معاشرے کے دو کنارے ایک ساتھ چل سکیں اور ایک مسلم نوجوان اچھا ڈاکٹر اور انجینئر ہونے کے ساتھ ایک باشعور مسلمان ہو سکے اور ٹھیک اسی طرح ایک عالم دین دنیاوی معاملات با آسانی بلامدِغیر اپنے کام انجام دے سکے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ ان قلیل مدتی اسلامی پروگراموں کا اہتمام ہمارے ایشیائی ممالک سے زیادہ یورپی اور مغربی ممالک میں ہے ہمیں ان کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کرنا چاہئے اور ہم میں جو بھی اس نظام کو ذہنی، مالی اور بدنی جس اعتبار سے بھی فروغ دے سکتا ہے دے تاکہ ایک باشعور مہذب مسلم معاشرہ وجود میں آئے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ توفیق رفیق نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

حوالا جات: (۱) سورۃ العلق: ۱۔۵، (۲) صحیح بخاری کتاب العلم
(3)http://www.cambridgeislamiccollege.org/short-courses/
(4)http://therahmahfoundation.org/young-muslimahs-summer-camp/
(5)http://www.mescoaleef.com/courselist.html
(6)http://jamaateislamihind.org/eng/lets-know-islam-campaign-poster-release-by-jih-ap/
(7)http://ibadurrahman.in/short-term-islamic-studies-course-for-ladies/
(8)http://islamicvoice.com/the-40-days-summer-vacation-course/
(9)https://www.facebook.com/AlHudaInstituteHyderabad/
(10)https://www.facebook.com/hikmahinstitute/
(11)http://www.msli.in/what_we_do.html
(12)https://kanzuliman.wordpress.com/

☆☆☆

☆ ریسرچ اسکالر شعبہ علوم اسلامی جامعہ ہمدرد، نئی دہلی۔ ۶۲

مدرسہ غوث الثقلین کے جوائنٹ صدر الحاج ڈاکٹر راحت احسان شاہجہاں پوری کا انتقال

ذوق اتباع، نور بصیرت، فراست ایمانی، اعتقاد درست، اخلاق حمیدہ، منکسر المزاج، خوش آہنگ، امدادِ دست درازی کے پیکر، صاف گو، ہردل عزیز، پیکر ترنم، تشویش مند، عقائد درست، زیر خطابت، پیش گفتار، فکر وبصیرت، مرہون کرم، سراپا مشن، ریاضی کے فنکار، رواداری ووضع داری کے پیکر، مریض عیادت میں پہل، اس کے ساتھ حسن سلوک، عالی جناب الحاج ڈاکٹر راحت احسان صاحب مدرسہ غوث الثقلین کے جوائنٹ صدر مذکورہ بالا تاریخ میں دنیائے فانی کو الوداع کہہ گئے اور جنت نشین ہوگئے۔ آپ اگر کسی وجہ سے کبھی مدرسہ کی تقریبوں میں نہ آسکے بذریعہ فون حالات سے باخبر ہونے کا جذبہ عظیم رہتا تھا۔ اہل مدرسہ ان کی ان قربانیوں کو اور فکرمندی کو کبھی فراموش نہیں کرسکتا ہے جو شخص اس تحریر کو پڑھے التجا ہے کہ اس تحریر کا مطالعہ کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب کے لیے دعائے مغفرت ضرور کریں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کے صدقہ میں حضرت غوث پاک کے واسطہ پیرومرشد کے فیض خاص سے ان کی مغفرت فرمائے۔ جنت الفردوس میں مقام خاص عطا فرمائے اور ان کے متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (آمین)

من جانب خادم مدرسہ غوث الثقلین، شاہجہاں پور (یوپی) 9616809591

علوم اسلامی

علم تفسیر۔ تعریف و تفہیم

محمد ظفر الدین برکاتی★

یہ مقالہ ۲۰۰۹ء میں کسی تحریری مقابلہ کے لیے لکھا گیا تھا جو، ابھی دستیاب ہوگیا، بغیر کسی ترمیم اور حذف واضافہ کے نذر قارئین ہے۔ اِس مضمون پر کسی بھی زاویے سے آپ تبصرہ کر سکتے ہیں۔ (برکاتی)

قرآن حکیم کی دستوریت، جامعیت اور فیصلہ کن خدائی کتاب ہونے پر فرمان ہے:

قرآن کریم کے اندر پہلی اور پچھلی قوموں کے حالات مذکور ہیں، اس میں تمہارے فیصلہ جات بھی مرقوم ہیں۔ یہ فیصلہ کن کتاب ہے، مذاق پر مشتمل نہیں۔ جو شخص از راہِ بغاوت اُسے نظر انداز کرے گا، خدائے تعالیٰ اس کو توڑ پھوڑ دے گا، جو اس کو چھوڑ کر کسی اور کتاب سے ہدایت طلب کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو گمراہ کر دے گا۔ یہ ذکر حکیم اور صراط مستقیم ہے، اس کی وجہ سے خیالات میں بے راہ روی نہیں آتی، نہ ہی زبان میں الجھن پیدا ہوتی ہے، اہل علم اس کو پڑھتے پڑھتے سیر نہیں ہوتے، بار بار اس کو پڑھنے کے باوجود بھی اس سے اکتاہٹ پیدا نہیں ہوتی اور ملال نہیں ہوتا۔ یہ وہی کتاب ہے کہ جب جنوں نے اس کی تلاوت سنی تو بے ساختہ یہ پکار اٹھے: اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا۔ کہ ہم نے عجیب قرآن سنا۔ جو شخص قرآن کے مطابق بات کرے گا وہ سچ بولے گا جو اس پر عمل کرے گا اسے اجر دیا جائے گا جو اس کے مطابق فیصلہ کرے گا وہ عدل وانصاف سے کام کرے گا اور جو اس کی طرف دوسرے کو بلائے گا وہ صراط مستقیم پر گامزن ہوگا۔

(جامع ترمذی، جلد دوم، ص ۱۴۹)

تفسیر اسی قرآن کریم کی شرح کا اصطلاحی نام ہے۔ اس لفظ کا اصل مادہ ''فسر'' ہے، اس کا معنی ظاہر کرنا، کھول کر بیان کرنا اور بے حجاب کرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ کسی بھی لفظ کی تشریح وتوضیح کو ''تفسیر'' اسی لیے کہتے ہیں کہ اس سے اس لفظ کے معنی مطلوب ومقصود کو بے حجاب کر دیا جاتا ہے اور مکمل واضح کر کے بیان کر دیا جاتا ہے۔ یہ تفسیر کی لغوی تعریف ہوئی اور لفظ تفسیر کا لغوی مفہوم۔

اور تفسیر کا اصطلاحی معنی یہ ہے کہ جو علم یا فن قرآن فہمی میں معاون ثابت ہو، یہ تعریف تقریباً تمام تعریفوں کا حاصل ہے۔ تاہم سب سے زیادہ جامع جو تفسیر کی اصطلاحی تعریف ہے، وہ امام زرکشی کی ہے جو ''البرہان'' میں مذکور ہے کہ ''تفسیر ایسا علم ہے جس کی مدد سے قرآن کریم کے معانی ومطالب معلوم کیے جائیں اور اس میں مذکور ومندرجہ احکام ومسائل اور اسرار وحکم سے بحث کی جائے۔''

تفسیری آغاز وارتقا کا مرحلۂ اول:

قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا، اس کے دورِ نزول میں براہ راست اُس کے مخاطب جو لوگ موجود تھے، ان سب کی مادری زبان عربی تھی، اس لیے قرآن حکیم کے زیادہ تر معانی ومطالب اور اسرار وحکم معلوم کرنے میں کوئی بڑی دقت نہیں پیش آتی تھی۔ تاہم بعض مقامات پر جہاں زیادہ اجمال واخفا ہوتا، وہاں صحابۂ کرام خود ہی صاحب قرآن ﷺ سے دریافت کر لیتے اور آپ یوں وضاحت فرما دیتے کہ اس سوال کے علاوہ متعلقہ جوابات وتفصیلات بھی معلوم کرا دیتے یا خود صحابۂ کرام اپنی اپنی فہم وفراست کے مطابق معنی کی گہرائی اور معلومات کی تہہ تک پہنچ جاتے۔ چوں کہ آپ صاحب قرآن اور مفسر وترجمان قرآن بھی تھے اس لیے اس دورِ قرآن فہمی میں کوئی دِقت پیش نہیں آئی، خود قرآن حکیم کا فرمان ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ

(النحل۔ ۴۴) ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا تا کہ آپ اسے لوگوں کے لیے واضح کریں۔

یعنی تفسیر قرآن کا سب سے پہلا بیش قیمت سرمایہ تفسیری روایات ہیں جو حدیث کی مختلف کتابوں میں منقول ومذکور ہیں۔ حضرت امام بخاری نے انہی احادیث کو جمع کر کے ''کتاب تفسیر القرآن'' کے عنوان سے صحیح بخاری شریف کے اندر محفوظ کر دیا ہے۔ یہ روایات وہی

ارشادات وتوضیحات رسول ہیں جو صحابۂ کرام کے دریافت کرنے پر بیان کیے گئے۔ احادیث کی دوسری کتابوں میں یہ التزام ہے۔

تفسیری ارتقا کا مرحلۂ ثانی:

عملی مفسر وترجمان قرآن حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ظاہری وفات حسرت آیات کے بعد خلافت راشدہ کا دور شروع ہوتا ہے، اس میں اسلامی فتوحات کا دائرہ بڑھتا گیا پھر تہذیب وتمدن میں وسعت پیدا ہوتی چلی گئی۔ لہٰذا اب دینی احکام اور اسلامی مسائل میں بھی نئی نئی صورتیں پیش آنے لگیں۔ اس کے زیر اثر قرآن حکیم کی آیاتِ احکام پر غور وفکر کی بنا پڑی۔ دوسری بات یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام فہم قرآن میں برابر نہ تھے اور تفسیر کا انداز بھی مختلف تھا۔ ہاں صحابہ وہی تفسیر بیان کرتے جو براہ راست یا بالواسطہ انھوں نے رسول پاک سے سنی تھی یا اُس آیت کا سبب نزول انھوں نے خود ملاحظہ کیا یا جو چیز بطریق اجتہاد ان پر واضح ہوگئی ہوتی۔ صحابہ کریم میں بھی دس حضرات کو فن تفسیر میں امتیازی مقام حاصل تھا۔ خلفائے راشدین میں سب سے زیادہ تفسیری روایات حضرت علی سے روایت کی گئی ہیں جب کہ مجموعی اعتبار سے صحابۂ کرام میں سب سے زیادہ تفسیری روایات حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی جاتی ہیں۔ انہی کے حلقۂ درسِ تفسیر نے وسعت بھی حاصل کی اور انہی کے شاگرد پوری اسلامی دنیا میں زیادہ پھیلے بھی۔

یعنی عہد صحابہ میں بیش قیمت تفسیری روایات ہیں، وہ جو معروف و ممتاز اہل تفسیر صحابۂ کرام سے مروی ومنسوب ہیں اور انھوں نے بالواسطہ یا براہ راست رسول اللہ ﷺ سے سنی تھیں۔

تفسیری ارتقاء کا مرحلۂ ثالث:

صحابۂ کرام اور خلافت راشدہ کا دور ختم ہونے کے بعد تفسیر کے ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ اس مرحلے کی ابتدا تابعین کے دور سے ہوتی ہے جنھوں نے بافیض صحابہ کرام کے چشمۂ علم وفن سے اپنی علمی پیاس بجھائی تھی۔ صحابہ کی طرح تابعین میں بھی نامور مفسرین کی تعداد پیدا ہوئی، ان میں مجاہد عطا بن ابی رباح عکرمہ، سعید بن جبیر، حسن بصری، ابو العالیہ ضحاک اور قتادہ بہت ہی مشہور ہیں۔ سب سے پہلے اِس فن کی باضابطہ ابتدا حضرت سعید ابن جبیر نے کی تھی جب عبد الملک بن مروان نے ان سے تفسیر لکھنے کی درخواست کی۔ آپ نے ''عطار بن دینار'' کے نام سے تفسیر لکھ کر دربارِ خلافت میں پیش کر دیا۔

اس وقت تک باضابطہ کسی نے اس فن کی، فن کی حیثیت سے توسیع واشاعت کی تدریسی کوشش نہیں کی تھی بلکہ مکہ، مدینہ، بصرہ اور کوفہ یہ چار بڑے شہر اُس دور میں تفسیر کے اہم مراکز تھے چوں کہ مکہ میں حضرت عبداللہ بن عباس کے اصحاب وتلامذہ کا فیض عام تھا، اس لیے مکہ شریف تفسیر قرآن کا مرکز بنا ہوا تھا۔ وہاں معروف مفسر حضرت مجاہد کا پایہ بہت بلند تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مجاہد کی تفسیر پر امام ثوری، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام بخاری جیسے ائمہ حدیث وفقہ اعتماد کرتے آئے ہیں۔

مدینہ منورہ میں علم تفسیر کی تاسیس وتوسیع کا کارنامہ حضرت ابی بن کعب کے ذریعہ انجام پایا۔ اکثر تابعین نے آپ سے فیض حاصل کیا ہے اور انہی سے سن کر اکثر تفسیری اقوال دوسروں تک پہنچایا ہے۔ مدینہ کے مفسرین تابعین میں زید بن اسلم، ابو العالیہ اور محمد بن کعب القرظی کے نام نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔

کوفہ شہر میں تفسیری درس گاہ کی بنا حضرت عبداللہ ابن مسعود کے ہاتھوں پڑی، مسعودی درس گاہ کے وابستگان میں علقمہ بن قیس مسروق، اسود بن یزید اور عامر شعبی نے بڑی شہرت حاصل کی جب کہ بصرہ شہر میں حضرت حسن بصری کی کوششوں سے تفسیر قرآن کے فن کو فروغ ملا۔

مرحلۂ چہارم۔ فن تفسیر نگاری کا آغاز:

اس مرحلے کا آغاز تفسیر کے عصر تدوین سے ہوتا ہے جس دور میں صحیح معنوں میں تفسیر نگاری کی بنیادی پڑی۔ یہ عہد اموی خلافت کے اواخر سے لے کر خلافت عباسیہ کے اوائل تک پھیلا ہوا ہے۔

تفسیر کے اِس دورِ تدوین سے پہلے تفسیری روایات احادیث نبوی کی شکل میں محفوظ تھیں۔ احادیث نبویہ پر مشتمل کتاب یا مجموعہ مختلف ابواب میں منقسم ہوتا کہ ان کے ایک باب تفسیری روایات کے لیے خاص ہوتا لیکن اس مرحلے میں پہنچ کر تفسیر قرآن، حدیث نبوی سے الگ ہوئی ایک مستقل جداگانہ فن کی حیثیت سے۔ اب قرآنی ترتیب ومزاج کے مطابق ہر ہر سورت اور آیت کی تفسیر مرتب کی جانے لگی۔ اس میں ابن ماجہ، ابن جریر طبری، ابن ابی حاتم، امام حاکم اور دوسرے اکابر علمائے حدیث نے حصہ لیا۔ یہ تمام تفاسیر سنداً حضرت نبی کریم ﷺ، صحابہ کرام، تابعین وتبع تابعین سے منسوب ومنقول ہوئیں اور آج بھی اس طریقۂ سند وروایت سے منقول ہوتی ہیں۔ ہاں ان میں تفسیر بالماثور کے سوا دوسری تفسیر مذکور نہیں۔

البتہ ابن جریر طبری نے تفسیر اقوال ذکر کر کے ان کی توجیہہ کی پھر بعض کو راجح اور بعض کو مرجوع قرار دینے کی روایت قائم کی۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے تفسیر ابن جریر کے حوالے سے لکھا ہے:

''اگر تم مجھ سے دریافت کرو کہ کس کی تفسیر پر اعتماد کیا جائے تو میں کہوں گا ابن جریر پر، جس کے بارے میں علما کا قول ہے کہ اس جیسی کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی۔'' (طبقات المفسرین)

تاہم اس فرق واختلاف کے باوجود اُس دور کی تفسیر بھی تفسیر بالماثور کے دائرہ ہی میں محدود رہی، البتہ اب اسناد کی شرط باقی نہ رہی اور وقتی طور سے اس کی ضرورت کا احساس ختم ہونے لگا لیکن تفسیری اقوال کو بلا سند ذکر کرنے کا بعد میں یہ بھیانک نتیجہ ہوا کہ بہت سے من گھڑت اقوال نے تفسیر میں جگہ بنالی پھر صحیح وسقیم اقوال کے درمیان امتیاز میں انتہائی دشواری کا سامنا کرنا پڑا بلکہ اب تک اس کے اثرات ''اسرائیلیات'' کے عنوان سے پائے جانے کی خبریں ملتی رہتی ہیں۔ تفسیری روایات پر ''اسرائیلیات'' کا یہ دھبہ اتنا خطرناک ہے جس نے کتنے مسلم ومنصف وسنجیدہ ذہن وفکر کے انسانوں کو بدگمان بنا دیا۔

پانچواں مرحلہ۔ تفسیری ارتقا کا تاریخی دور:

تفسیری ارتقا کا یہ تاریخی عہد خلاف عباسیہ سے شروع ہو کر عصر حاضر تک پھیلا ہوا ہے۔ اس سے پہلے کے چاروں مراحل میں تفسیر کا سارا انحصار منقول روایات پر تھا لیکن اِس مرحلے میں عقل ونقل میں امتزاج واختلاط کے ساتھ اخذ نتائج کی روایت پڑی۔ صرف ونحو اور عربیت سے متعلق علوم وفنون مرتب ومدوّن ہوئے۔ فقہی مسالک منظر عام پر آئے۔ کلامی مسائل کھڑے ہو گئے۔ خلافت عباسی میں گروہی تعصّبات اور گروپ بندی کی برائی انتہا کو پہنچ گئی۔ مزید یہ کہ مختلف اسلامی فرقے اپنے تراشیدہ وتیار شدہ افکار وعقائد اور غیر اسلامی نظریات کی دعوت وتبلیغ میں سرگرم ہوئے۔ منطق وفلسفہ سے متعلق کتب کا یونانی سے عربی زبان میں منتقل کیا گیا۔

اِن تمام تبدیلیوں اور پیش قدمیوں کا ایک بڑا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ یہ سب علوم وفنون، تفسیر کے ساتھ گھل مل گئے۔ اب جو شخص جس علم وفن میں کمال رکھتا تھا، اس کی تفسیر اُسی علم وفن تک محدود رہ گئی۔

نحوی علماء نے اپنی تفاسیر کو نحوی مسائل سے بھر دیا جیسے زجاج نے اپنی تفسیر، واحدی نے اپنی تفسیر ''البسیط'' میں اور ابو حیان نے ''البحر المحیط'' میں نحوی مہارت کا ہی ثبوت فراہم کیا ہے۔ یوں ہی علوم عقلیہ کے ماہر علما نے اپنی کتب کو حکما وفلاسفہ کے اقوال سے بھر دیا۔ امام فخر الدین رازی کی ''تفسیر کبیر (مفاتیح الغیب) کا وہی انداز ہے۔ اس میں عقلی ونقلی قسم کے جس قدر تفسیری اقوال مختلف تفاسیر میں پراگندہ ہیں، انہیں بھی اس میں جمع کر دیا ہے۔

یوں ہی اہل بدعات ومبتدعین نے جو تفسیریں لکھیں، ان میں اپنی پسندیدہ بدعات وخرافات اور بے سروپا کی تائیدات سے بھر دیا جیسے معتزلہ میں زمخشری، رُمانی جبائی، شیعہ اثنا عشریہ میں سے طبری اور ملا حسن کاشی وغیرہ۔ اس طرح جن فقہا نے تفسیریں مرتب کیں، انہیں صرف فقہی فروعات کے دلائل ذکر کرنے تک محدود رکھا ہے جیسے جصاص اور قرطبی نے اپنی تفسیری تحریر میں کیا ہے۔ اسی طرح صوفیائے کرام نے تفسیر قرآن میں قرآنی آیات سے ایسے ایسے اشارات کا استخراج کیا جو اُن کے روحانی مسلک اور ریاضت وطریقت سے ہی میل کھائے تھے۔ یہاں تک کہ مؤرخین نے جو تفسیریں لکھیں، ان کے مطالعہ کے بعد یہی اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن کا نزول محض تاریخ نگاری کی تعلیم وترغیب وتلقین کے لیے ہوا ہے۔

اس طرح قرآن کریم کے خاص خاص مباحث پر جداگانہ اور مستقل تصانیف کا تحریری سلسلہ بھی شروع ہوا تو کسی نے صرف مسائل فقہیہ سے بحث کی اور صرف انہی آیات کو موضوع بحث بنایا اور تفسیر کی جن سے اسلامی شرعی احکام کا استنباط ہوتا ہے۔ کسی نے اسباب نزول پر کتاب لکھی تو کسی نے غیر زبانوں کے الفاظ ومحاورات کو جمع کیا اور کسی نے قرآنی امثال ونظائر کو یکجا کر کے تفسیری کتاب تیار کر دی۔ کئی ایک نے قرآن کو مکررہ آیات کے نکات کو ہی موضوع تحریر بنایا۔

اس طرح کے مختلف مضامین کی تعداد اسّی (۸۰) کے قریب پہنچتی ہے اور تقریباً ہر ایک پر الگ الگ مستقل کتابیں تحریر کی گئیں۔ اُن تمام تفسیری تصانیف کے باوجود اُن کی تقسیم چھ اقسام پر ہوتی ہے:

فقہی: ایسی تفسیری کتابوں کو جن میں محض ان آیتوں کو تفسیری بحث کا موضوع بنایا گیا ہے جن سے فقہی مسائل کا استنباط ہوتا ہے جیسے احکام القرآن، تفسیر ابن اسحاق، احکام القرآن، ابو بکر رازی، احکام القرآن، قاضی یحییٰ ابن اکثم۔

ادبی: جن تفسیری تصنیفات میں فصاحت وبلاغت کے اعتبار

سے قرآن کریم کا معجز اور بے نظیر ہونا ثابت کیا گیا ہو۔ ان میں وہ تصنیفات قابل ذکر ہیں جن قرآن کی حقیقت ومجاز، تشبیہات واستعارات مکررات اور صنائع وبدائع پر بحث کی گئی ہوں۔

تاریخی: انبیائے سابقین، بزرگ افراد واشیا کے قصص و واقعات کی تفصیل اور مزید دوسری تاریخی حالات پر جن تفسیری کتب میں روشنی ڈالی گئی ہیں۔

نحوی: جن میں قرآن مجید کے نحوی (اور صرفی) مسائل سے بحث کی جائے جیسے امام رازی کی ''اعراب القرآن''۔

لغوی: قرآن کریم کے الفاظ مفردہ کے معانی اور ان کی تحقیق جن میں بیان کی گئی ہو، جیسے مفردات القرآن امام راغب کی۔ ابوعبیدہ کی ''لغات القرآن''۔

کلامی: جن میں ان قرآنی آیات سے بحث کی جائے جن سے اسلامی عقائد ونظریات کے مسائل مستنبط ہوں۔

ان مضامین وموضوعات میں سے فقہی مباحث پر جو کچھ لکھا گیا، اس پر اب اضافہ کی گنجائش بہت کم ہے کیوں کہ اس پر بڑے بڑے ائمہ فن نے طبع آزمائی کی ہے۔ امام یحییٰ، قاضی یحییٰ ابن اکثم، ابوبکر رازی جیسے اکابر ائمۂ فن انہی بلند پایہ لوگوں میں ہیں۔ یوں لغات القرآن اور نحوی وصرفی مسائل پر مزید اضافہ کی ضرورت نہیں۔

فصاحت وبلاغت سے متعلق کثرت سے کتابیں لکھی گئیں، یہ سب اعجاز القرآن کے نام سے مشہور ہے اور ہاں، غالباً اِس موضوع فصاحت وبلاغت پر سب سے پہلے حافظ نے لکھا پھر محمد بن یزید واسطی، عبدالقاہر جرجانی، رمانی خطابی زملکانی اور قاضی ابوبکر باقلانی نے اس پر بڑی شرح وبسط سے تفسیریں لکھی ہیں۔

عبدالقاہر جرجانی جو فن بلاغت کا موجد ہے، اس کی تفسیر کی عمدہ کتاب ''اعجاز القرآن'' اب مفقود ہے۔ البتہ اس کی دو کتابیں ''دلائل الاعجاز'' اور ''اسرار البلاغۃ'' عام طور سے بڑی لائبریریوں میں دست یاب ہیں۔ اس کے علاوہ ابن ابی الاصبع نے قرآن حکیم کے صناع وبدائع پر، عزالدین بن سلام نے قرآن کے مجازات کو یکجا کیا، ابوالحسن ماوردی نے قرآن کے ضرب الامثال کو جمع کیا اور ان کی خوبیاں بیان کیں۔ علامہ سیوطی نے سورتوں کے طریقہ ابتدا پر ایک رسالہ لکھا۔ اس کا نام ''الخواطر السوانح فی اسرار الفواتح ہے۔ ابن قیم نے تفسیر کے ہی موضوع پر ''کتاب البیان''، لکھی جس میں یہ بحث کی کہ قرآن میں کثرت سے قسمیں کھائے ہوئی ہیں اللہ تعالیٰ نے۔

خلاصہ یہ کہ قرآن کے آغازِ نزول سے لے کر عصر حاضر تک مسلمانوں نے کتاب الٰہی کے ساتھ خوب اعتنا کیا، اس کے معانی و مطالب، اسرار ونکات اور احکام ومسائل معلوم کرنے کے لیے جو مبارک وخوب صورت خدمات انجام دیے ہیں، دنیا کی کوئی قوم اس کی نظیر نہیں پیش کرسکتی۔ تاہم قرآن حکیم کی وسعت وجامعیت کا عالم یہ ہے کہ اس کے معانی ومفاہیم کے سمندر میں غواصی کرنے والے ہر شخص کو اپنے عجز وتقصیر کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

عہد رسالت سے لے کر آج تک ہزار تفسیر کی کتابیں لکھی گئیں اور آئندہ بھی لکھی جائیں گی اور آج بھی لکھی جارہی ہیں مگر فرمان رسول گرامی وقار کے مطابق قرآنی اسرار ونکات ہیں کہ ختم نہیں ہونے والے۔

جن کتب سے استفادہ کیا:

① مقدمہ تفسیر روح البیان (اردو)
علامہ شیخ محمد اسماعیل حقی۔ مترجم شیخ محمد فیض احمد اویسی
② مقدمہ تفسیر تبیان القرآن۔ علامہ غلام رسول سعیدی
③ سنن ترمذی۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی
④ طبقات المفسرین۔ علامہ محمد جلال الدین سیوطی
⑤ تاریخ تفسیر ومفسرین۔ پروفیسر غلام احمد حریری

☆☆☆

z.barkati@gmail.com

اظہار واعتراف

اردو کی ترویج واشاعت میں اسلامی مدارس کا کردار

محمد امتیاز عالم مصباحی*

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ زبان کا نہ کوئی مذہب ہوتا ہے اور نہ یہ کسی خاص مذہب کی پابند ہوکر پروان چڑھتی ہے۔ یہ بات ضرور ہے کہ مذہب کو زبان کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ زبان پر ماحول کے گردوپیش کا اثر پڑتا ہے۔ اردو زبان کی داستان بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ یہ زبان کھڑی بولی، برج بھاشا، ترکی، عربی، فارسی اور دکنی زبانوں اور کچھ مقامی بولیوں کی آمیزش اور باہمی تعاون واشتراک سے ہندوستانی ماحول میں پل بڑھ کر موجودہ رنگ وروپ میں کھلی اور نکھری ہے۔ یوں تو اردو کی مقبولیت اور اثر پذیری کے طویل عرصہ کے ارتقائی سفر میں جہاں دربار، دبستان، خانقاہ اور بازار کا مہتم بالشان کردار رہا ہے وہیں علمائے کرام اور مدارس ومکاتب کی فعال شمولیت بھی رہی ہے۔

اس طرح اردو زبان وادب کے ارتقا، اس کی تشکیل وتکمیل اور ترویج و اشاعت میں مدارس اسلامیہ کی بیش بہا خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ اردو کی ابتدائے آفرینش سے لے کر ارتقا کی مکمل تاریخ میں مدارس کی عظیم خدمات رہی ہیں۔ خواہ اردو کی صرفی نحوی ساخت کی بات کی جائے یا لفظیات و مصطلحات کی یا پھر مترادفات واستعارات اور تشبیہات وتلمیحات کی، مدارس ہی سے مشروط ہیں۔ بیشتر کلاسیکی شعرا کا تعلق مدارس ہی سے رہا ہے۔

اس میں دورائے نہیں کہ اردو اور مدارس ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ اس کی زندہ اور عملی مثال، مدارس کا ذریعہ تعلیم اردو کا ہونا ہے، اس طرح دینی تعلیم کی ترویج واشاعت کے علاوہ اردو زبان کو بر صغیر کے کونے کونے تک پھیلانے میں مدارس کا بڑا حصہ رہا ہے۔ خواہ یہ مدرسے شمال میں قائم ہوں یا جنوب میں، مشرق میں ہوں یا مغربی ہند میں، مدرسے کے طلبہ کی راہ میں ملک کی جغرافیائی، لسانی اور تہذیبی حدبندیاں رکاوٹ نہیں، خود راقم کا اس نظریے پر عملی تجربہ شاہد ہے۔

میں نے حفظ قرآن سے فراغت کے بعد یاداشت میں مزید پختگی کے لیے جسے اصطلاح مدرسہ میں ''دور'' کہا جاتا ہے، ایک مدرسے کا سفر کیا جو، ایک گاؤں میں واقع تھا۔ مزید برآں میں اردو اور ہندی کا اہل، اور پورے گاؤں میں بنگلہ کا چلن لیکن مدرسے کی زبانہ اس خالص بنگلہ زبان والے گاؤں میں بھی اردو تھی اور میں اس لسانی، جغرافیائی تبدیلیوں کے باوجود بھی اکیلا محسوس نہیں کرتا تھا۔

بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کے طول وعرض میں جہاں کہیں بھی کوئی عالم ہوگا وہ اردو ضرور جانتا ہوگا، یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ ہندوستان میں خصوصاً شمالی ہندوستان کے بعض مدارس عالمی شہرت یافتہ ہیں۔ ان مدارس میں نہ صرف مختلف ہندوستانی ریاستوں کے طلبہ ایک ساتھ تعلیم حاصل کرتے ہیں بلکہ غیر ممالک کے طلبہ بھی علم دین کے حصول کے لیے قیام پذیر ہوتے ہیں جو برسوں ہندوستانی طلبہ کے ساتھ اپنا وقت گزارتے ہیں۔ چونکہ ان غیر ملکی طلبہ کو بھی دیر سویر اردو زبان میں ہی اسباق حاصل کرنے ہوتے ہیں اس لیے یہ بھی جلد از جلد اردو سیکھ لیتے ہیں۔ اس تعلق سے غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ ہندوستان کے باہر بھی اردو کے تعارف کرانے میں مدارس کا اہم کردار ہے۔

الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور جس کا شمار ہندوستان کے عالمی شہرت یافتہ مدارس میں ہوتا ہے۔ وہاں کیرالا ریاست کے طلبہ کثرت سے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ حالانکہ انہیں کنٹر، عربی اور انگلش زبان ہی آتی ہے لیکن اس ریاست میں بھی علما اردو جانتے ہیں اور ان کے جاننے سے صوبے میں اردو زبان کا فروغ بھی ہوتا رہا ہے۔ اردو زبان وادب سے نابلد طلبہ چند سالوں کے اندر اردو میں مہارت حاصل کر لیتے ہیں اور اپنے وطن پہنچ کر اردو زبان وادب کی خدمات انجام دیتے ہیں۔

تمل ناڈو کے عربی مدارس میں اردو:

اردو زبان وادب کی بقا اور ترقی وترویج میں تمل ناڈو کے عربی مدارس کا بھی بہت بڑا ہاتھ رہا ہے۔ ان مدارس نے عربی اور فارسی علوم کے ساتھ ساتھ ہر دور میں اردو زبان وادب کو بھی نئی رفعتیں بخشی ہیں۔ اس کا زندہ وجاوید ثبوت ان مدارس سے شائع ہونے والے علمی وادبی جریدے ہیں جو آج بھی ماہ ناموں یا سال ناموں کی شکل میں منظر عام پر

آتے رہتے ہیں۔ان جرائد میں دینی،علمی اور معلوماتی مضامین کے ساتھ اردو شعر وادب کے اعلیٰ نمونے بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ان مدارس کے اساتذہ اور طلبہ نے جہاں دینی علوم کی طرف خاص توجہ دی، وہیں اردو شعر وادب کے خزانے کو بھی مالا مال کیا ہے۔ان مدارس نے علاقائی طور پر علم دین اور شعر وادب کی خدمت کے علاوہ بیرونی ممالک میں بھی تمل ناڈو کا علمی اور ادبی پرچم بلند کیا ہے۔علم وادب کا کوئی بھی مؤرخ ان عربی مدارس کی خدمات اور ان کے کارناموں سے چشم پوشی نہیں کرسکتا۔

تمل ناڈو کے چند اہم مدارس کا اب یہاں مختصراً ذکر کیا جارہا ہے جن مدارس کی خدمات نے اردو زبان وادب کو بے پناہ فروغ بخشا ہے۔

مدرسة الباقيات الصالحات

بقول حضرت مولانا محمد جعفر حسین فیضی صدیقی باقوی:

''۱۸۵۷ء کے غدر نے اسلام اور مسلمانوں کو نہایت عظیم نقصان پہنچایا انگریزوں نے اسلام کے استحصال میں کوئی کسر نہ چھوڑی یہاں تک کہ اس کا قلعہ قمع ہو کر رہ گیا۔سرزمین ہند میں اسلامی سلطنت کا پرچم سرنگوں ہوگیا۔جہاں اسلامی سلطنت کی شان وشوکت کا طوطی بول رہا تھا وہیں ان کھنڈرات پر سامراجی الو بولنے لگا تھا۔جہاں اسلامی جاہ وجلال کے نقارے بج رہے تھے وہاں سامراجی اقتدار کے تازیانے بجنے لگے تھے۔اسلامی تہذیب وتمدن کا دیوالیہ نکل چکا تھا اور علمائے دین کا قحط الرجال تھا اسلامی دنیا منتظر تھی کہ ''مردے از غیب بیروں آید وکارے بکند''

''ایسے بحرانی دور میں چند راسخ الاعتقاد وعلمائے صالح اپنی بے پناہ حوصلہ مندی اور مستقل عزمی سے اسلام کی گرتی ہوئی دیوار کو تھامنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔جابجا دین کی اشاعت کرنا اور اپنے گھروں میں دینی تعلیم دینا شروع کیا۔اس وقت ہر مقتدر عالم کا گھر دینی درس گاہ تھا۔بعد کو انہوں نے اپنے اپنے طور پر مختلف علاقوں میں دینی مدارس قائم کیے جو اسلام کی بقا وسرخروئی میں آہنی قلعوں کا کام دے رہے ہیں۔''(۱)

انھیں بزرگوں میں سے ایک زبدۃ الاولیا شمس العلماء اعلیٰ حضرت عبد الوہاب شاہ قادری قدس سرہ العزیز تھے جنھوں، نے جنوبی ہند میں مدرسۃ الباقیات الصالحات ویلور کی بنیاد رکھی جس کی عمر آج بفضلہٖ تعالیٰ ایک صدی سے زیادہ ہوگئی ہے۔

اس مدرسہ کو ام المدارس کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کیونکہ اس کے فیضان سے جنوبی ہندوستان کے مقامات میں کئی عربی مدارس قائم ہوئے۔باقیات کی شہرت ہندوستان سے نکل کر بیرونی علاقوں مثلاً مالدیپ ،جاوا، سماٹرا، سنگاپور وغیرہ میں بھی پہنچی جہاں سے کثیر تعداد میں طلبہ تحصیل علم کے لیے آنے لگے۔ہزاروں فرزندان باقیات آج بھی دنیا کے گوشے گوشے میں علم اور دین کی عظیم الشان خدمات انجام دے رہے ہیں۔اس سے فیضان حاصل کرنے والے اور اردو زبان وادب کی خدمات کرنے والی بعض ممتاز شخصیتیں حسب ذیل ہیں۔

مولانا حبیب اللہ،مولانا عبدالسلام کمالی ویلوری،مولانا سید عبدالجبار، مولانا نثار احمد باقوی،مولانا جعفر حسین فیضی صدیقی،مولانا ظہیر احمد راہی۔

خاص طور پر اردو زبان وادب کی خدمت کے لیے اس مدرسہ نے ''انجمن ترقی اردو'' کی بنیاد رکھی۔(واضح رہے کہ اس انجمن کا دہلی کے انجمن سے کوئی تعلق نہیں ہے)اور اس انجمن کے تحت وقتاً فوقتاً ادبی اور شعری محفلیں بھی منعقد ہوتی رہتی ہیں۔اس مدرسہ کے دار الاشاعت سے مندرجہ ذیل کتابیں بھی منظر عام پر آئیں۔

مجدد جنوب، الباقیات صد سالہ نمبر، حیات ترمذی، باقیات ایک جہاں، تصنیف شعری مجموعہ، انامل، جان پدر، عبرت ونصیحت، مضامین تفسیر، تفسیر ام الکتاب، اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ۔مگر یہ عجب اتفاق ہی کہا جائے کہ اردو جیسی سیکولر زبان مذہبی راسخ الاعتقادی کے گہواروں میں زندہ ہے۔زبان وبیان کی سطح پر اردو کو جو توسیع اور تنوع میسر آیا ہے وہ مدارس ہی کا فیض ہے۔اردو کے عناصر خمسہ(سرسید، حالی ،شبلی، محمد حسین آزاد، مولوی عبدالحق) کا رشتہ بھی مدرسے سے ہی ہے۔غالب ، میر مومن ، سراج اور نگ آبادی ،مفتی صدر الدین آزردہ ، صاحب وضع اصطلاحات سب مدرسے سے ہیں۔

اردو کی صرفی ونحوی ساخت کی تشکیل ،نئی لفظیات ،مصطلحات ، مترادفات ،استعارات ،تشبیہات اور تلمیحات مدارس کی عطا ہیں۔اس کا اعتراف ارباب فضل وکرم کو بھی ہے اور اردو زبان وادب سے وابستہ باشعور بالغ نظر اساتذہ کو بھی۔سچ پوچھیے تو آج کے عہد زوال اور اردو کشی کے دور میں اردو زبان کی بقا مدارس سے مشروط ہے۔اس زبان کا نامیاتی ارتقا اور تسلسل بھی مدرسوں پر ہی منحصر ہے ورنہ اہل اردو تو ہمیشہ آئینی مطالبات میں ہی الجھے رہتے ہیں اور اردو کو مال ومنال کا ذریعہ بنانے کی کوشش میں مصروف ،صرف نعرے لگاتے رہے۔احتجاجی جلوس کے انتظام وانصرام میں تگ ودو کی کوئی کسر باقی نہیں رکھتے۔اردو کے حقوق

دلانے پر بڑے بڑے سمینار اور سپوزیم کو سجاتے۔ اردو زبان وادب کی بقا اور مونس و ہمدرد ہونے کا شیریں راگ الاپتے۔ جب کہ اہل مدارس نے اردو کے احیا کے عملی اقدامات کیے۔

رسم الخط کی تبدیلی، استعارات واعلام میں تغیر اور لسانی مزاج کو بدلنے کے خطرناک منصوبوں سے بھی سب باخبر ہیں۔ ایسے پر خطر ماحول میں اردو کی ہیئت حقیقی کو مدارس نے برقرار رکھا، اور اردو زبان کی اصلی روح اور اس کے تہذیبی حسن کا تحفظ مدارس نے ہی کیا۔ عملی حیاتین کے ذریعہ اردو زبان کو ان جراثیم سے محفوظ رکھا جو اس کے جسم کو دیمک کی طرح چاٹ رہے تھے۔ اور زبان کو بنجر میں تبدیل کر رہے تھے۔

فی زمانہ اردو اور مدارس دونوں ایک دوسرے سے اس طرح مربوط ہو گئے ہیں کہ ذکر اردو کا ہو تو بات مدارس تک پہنچتی ہے اور ذکر مدارس کا ہو تو بات اردو تک پہنچتی ہے۔ مدارس کئی سطحوں پر اردو زبان و ادب کو فروغ دینے میں منہمک ہیں۔

پہلی سطح تو یہ ہے کہ ہندو پاک کے بیشتر مدارس کا میڈیم اردو ہے۔ دوسری سطح میں وہ مجلّات آتے ہیں جو مختلف شہروں، قصبات اور مضافات کے مدارس سے اردو میں شائع ہو رہے ہیں۔

یہ بات سبھی تسلیم کرتے ہیں کہ اردو مدارس کی وجہ سے زندہ ہے ہندوستان میں اگر مدارس نہ ہوتے تو اردو زبان کا دائرہ نہایت سکڑا اور سمٹا ہوتا۔ اردو کے ممتاز ناقد پروفیسر وہاب اشرفی نے یہ اعتراف کیا ہے:

''ملک میں بکھرے ہوئے مدارس دراصل اردو کے فروغ کی بے بہا خدمات انجام دے رہے ہیں۔ کالجوں سے اردو غائب ہوتی جارہی ہے۔ مدرسوں میں عربی، فارسی کے علاوہ اردو کی کتابیں مسلسل پڑھی جارہی ہیں۔'' (۲)

ڈاکٹر علامہ اقبال اپنے نظریہ کو واضح کرتے ہوئے مدارس اسلامیہ کے سلسلے میں یوں گویا ہیں: ''ان مکتبوں کو اسی حالت میں رہنے دو۔ غریب مسلمانوں کے بچوں کو انہیں مدارس میں پڑھنے دو۔ اگر یہ ملاّ اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا جو کچھ ہوگا میں انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں۔ اگر ہندوستانی مسلمان ان مدرسوں کے اثر سے محروم ہو گئے تو بالکل اسی طرح ہوگا جس طرح اندلس میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس حکومت کے باوجود آج غرناطہ، قرطبہ کے کھنڈرات اور الحمرا اور باب الاخوتین کے نشانات کے سوا اسلام کے پیروؤں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا۔ اس طرح ہندوستان میں آگرہ کے تاج محل اور دلی کے لال قلعہ کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا۔'' (۳)

یہ اہل مدارس ہی ہیں جنہوں نے اردو زبان کی لفظیات اور لغت میں اضافہ کیا اور اردو زبان کو ان علوم وفنون اور موضوعات سے آشنا کیا جو یقیناً اردو کی فکری ثروت میں گراں قدر اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں اور جس سے اردو کو فکری تحریک اور توانائی حاصل ہوئی۔ مدارس نے اردو زبان کی احیا کے لیے عملی اقدامات کیے۔ اور تدریسی میڈیم کے طور پر اردو زبان کو اختیار کیا۔ اس طرح اردو زبان کی ترقی کی راہیں ہموار کیں کہ دیگر لسانی معاشروں سے تعلق برمی، بنگلہ، کنڑ، تمل، تلگو، گجراتی، مراٹھی زبان سے ہو، مگر مدارس کے طلبہ اردو زبان میں ہی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اس کے برعکس کالجز یا عصری جامعات کے اردو شعبہ جات میں طلبہ اردو کو اختیاری یا لازمی مضمون کے طور پر لیتے ہیں۔ مگر مدارس میں ہر سطح پر اردو لازمی ہوتی ہے۔

لیکن ان تمام لسانی امتیازات اور تفریق کے باوجود گزشتہ ڈیڑھ سو سالوں سے نہایت خاموشی اور بے نیازی سے پورے ہندوستان میں مدارس تشکیل اور فروغ پاتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ اب مدارس کی تعداد سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں میں پہنچ گئی ہے اور ملک کے جن علاقوں میں پرائمری اسکول تک موجود نہیں ہے۔ وہاں کوئی نہ کوئی مدرسہ ضرور موجود ہے جہاں ''اردو زبان'' پچھلی ڈیڑھ صدی سے اظہار کی زبان بنی ہوئی ہے۔ اسلام کی تبلیغ واشاعت اور اسلامی علوم کی تعلیم کے نام پر جن مراکز کا وجود عمل میں آیا تھا عملی طور پر انہیں مراکز نے اردو کو اپنے جلو میں سمیٹے رکھا ہے۔ جہاں اردو کے تحفظ کے بلند بانگ دعوے نہیں ہوتے، جہاں اردو کی تاریخ اور اس کے ادبی ارتقا کے طبقاتی مراحل پر گفتگو نہیں ہوتی اور نہ ہی اردو کو نصاب میں شامل کر کے اس کی اشاعت کا غلغلہ بلند کیا جاتا ہے۔

لیکن ابتدا سے لے کر انتہا تک نحو، صرف، بلاغت، فلسفہ، منطق، عقائد، کلام، فقہ، اصول فقہ، تفسیر، اصول تفسیر، اصول حدیث، قرآن و احادیث کے افہام وتفہیم کے لیے وہاں اردو ہی کو ذریعہ اظہار (میڈیم) بنایا جاتا ہے۔ مدارس کے تعلیم یافتہ اسی زبان میں مراسلت کرتے ہیں۔ درخواستیں دیتے ہیں۔ اسی زبان میں مقابلہ جاتی تحریری، تقریری بزمیں منعقد کی جاتی ہیں۔ برصغیر کے طول وعرض میں روزمرہ اسی زبان

میں عظیم الشان کانفرنسیں اور جلسے ہوتے ہیں۔سیمینار کرائے جاتے ہیں۔ مدارس کے فارغین اسی زبان میں مختلف موضوعات پر مضامین اور مقالے تحریر فرماتے ہیں۔فتاویٰ کے صدور میں اسی زبان کا سہارا لیا جاتا ہے۔ مدارس سے پچاسوں مذہبی رسائل وجرائد اسی زبان میں نکلتے ہیں۔

مدارس اسلامیہ میں بے شمار موضوعات کی اردو زبان میں کتابیں بھی لکھی جاتی ہیں جو تعداد ہزاروں کی تعداد میں ہے۔اگر مشاہیر علماے کرام کی تصنیفات ہی کو دیکھ لیا جائے تو یہ تعداد مکمل ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔ذیل میں چند مشہور علما و مصنفین کا ذکر کرتا ہوں:

۱۔امام احمد رضا بریلوی ۲۔احمد یار خاں نعیمی ۳۔نعیم الدین مراد آبادی ۴۔ ابو الاعلیٰ مودودی ۵۔صدر الشریعہ امجد علی اعظمی ۶۔علامہ ارشد القادری ۷۔ابوالحسن ندوی ۸۔ پیر محمد کرم شاہ ازہری ۹۔شبلی نعمانی ۱۰۔علامہ محمد احمد مصباحی ۱۱۔محمد شریف الحق امجدی۔

میں نے یہاں چند مشہور علما و مصنفین کا ذکر کیا ہے لیکن یہ محض نمونہ ہے۔ورنہ علما اردو مصنفین کی ایک لمبی قطار ہے اور ہر ایک اپنی جگہ آفتاب و ماہتاب ہیں۔میں نے یہاں سر دست اول الذکر عالم دین علم وفضل کے آفتاب درخشاں حضرت امام احمد رضا بریلوی کی تصنیفات کا ایک مختصر جائزہ لینے کی کوشش کی ہے۔جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مدارس کے تربیت یافتہ نے کس قدر جانفشانی کی ہے اور اردو ادب کے ذخائر ان کے یہاں کتنی وافر مقدار میں موجود ہیں۔

امام احمد رضا بریلوی نے ایک تحقیق کے مطابق ۶۲ ر علوم وفنون پر ایک ہزار سے زائد کتابیں اردو میں تصنیف فرمائیں ایسے ایسے علم وفن میں اردو تصنیفات موجود ہیں کہ عام تو عام خاص لوگوں کو بھی ان علوم وفنون کی معرفت حاصل نہیں۔

آپ کو صرف نحو، ادب، حدیث، تفسیر، کلام، فقہ، اصول، معانی و بیان، تاریخ، جغرافیہ، ریاضی، منطق، فلسفہ، ہیئت، لغت، ارثماطیقی، جبر و مقابلہ، حساب سینی، لوگارثمات، توقیت، زیجات، مثلث کروی، مثلث سطح ، ہیئت جدیدہ، جفر، علم الفرائض، عروض وقوافی، نجوم، نظم ونثر فارسی، خط نسخ، خط نستعلیق وغیرہم پر ہی نہیں بلکہ دوسرے علوم پر بھی دسترس حاصل تھا۔

آپ کی بعض تصنیفات تو بے حد ضخیم ہیں۔اس کی جتنی بھی ستائش کی جائے کم ہے۔ایک کتاب ''فتاویٰ رضویہ'' جو اسلامی فقہ کی انسائیکلو پیڈیا ہے۔۱۲ ر جلدوں پر مشتمل یہ ایک کتاب امام احمد رضا اکیڈمی کی طبع کے مطابق سات ہزار نو سو چالیس (۷۹۴۰) صفحات کی حامل ہے اور صفحہ جات بھی حجم کے اعتبار سے ایسی ہیں کہ میں سمجھتا ہوں اس بڑے حجم کے ساتھ کتابیں اب طبع نہیں ہوتی ہیں۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیے ہو

اردو کا عام محاروہ ہے کہ ''پیدا کرنے والے سے پالنے والا بڑا ہوتا ہے'' اگر اردو کے تناظر میں اسے مدارس پر منطبق کیا جائے تو غلط نہیں ہوگا۔ادبی دنیا میں اردو زبان کی تاریخ اس کی ابتدا سے متعلق نظریات کا جائزہ، تحقیقی رویے اور اصناف ادب، دبستان شاعری، اردو ڈرامے، عبوری دور کا ادب، نئے رجحانات، جیسے ان گنت موضوعات پر ہزاروں بلکہ لاکھوں صفحات لکھ ڈالے گئے ہیں مگر ہندوستان کے گھروں اور تمام اسکولوں میں اردو کو بحیثیت زبان جگہ نہیں مل سکتی۔اسے جگہ ملی بھی تو ایک اختیاری مضمون کی حیثیت سے اپنی افادیت کھوتے ہوئے ہندوستان کے وہ اردو میڈیم اسکول جہاں تمام موضوعات کو اردو کے سہارے پڑھانے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔ان کی حالت اتنی دِگر گوں ہے کہ یہاں سے نکلنے کے بعد یہ طلبہ نہ اردو کو اپنے اظہار کی زبان بنا پاتے ہیں اور نہ ہی Modren competative courses میں شمولیت کی ہمت کر پاتے ہیں۔ایسے میں مدارس اسلامیہ پر ہی نظر مرکوز ہوتی ہے جہاں سے عملی سطح پر اردو زبان کے فروغ کا سلسلہ جاری ہے۔آج ہندوستان میں اردو کے ۸۰ ر فیصد قارئین مدارس کا نیٹ ورک دے رہا ہے۔اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ کسی بھی مدرسہ کو اردو کے فروغ دینے والے ادارے کی حیثیت سے لائق اعتنا نہیں سمجھا گیا۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہندوستان میں تعلیم کے اس سب سے بڑے غیر سرکاری نیٹ ورک کو اردو کے حوالے سے توانا کیا جائے اور تعلیمی ولسانی سطح پر اس کی خاموش خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اس کے جذبے کو مستحکم کیا جائے۔

حوالہ جات: (۱) تمل ناڈو میں اردو ۶۹ علیم صبا نویدی (۲) اردو دنیا ۲۳ مئی ۲۰۱۳ء (۳) اوراق گم گشتہ ۵۷۔ ۴۷ ۳

☆☆☆

☆ریسرچ اسکالر شعبۂ اردو کولہان یونیورسٹی چائباسا، مغربی سنگھ بھوم، جمشید پور (جھارکھنڈ) 3290319658

mimteyaza@gmail.com

بزم ادب

اردو میں منقبت نگاری کی تاریخ اور تجزیہ

محمد شکیل احمد مصباحی★

محققین ادب نے اردو شاعری کے مندرجہ ذیل ادوار متعین کیے ہیں: دورِ اوّل، دورِ دوم۔ دورِ اوّل و دورِ دوم، شعرائے متقدمین کے دَور مانے جاتے ہیں، جن میں ملّا نصرتی، ولی دکنی، سراج اورنگ آبادی، قلی قطب شاہ کے نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ دورِ سوم میں شاہ مبارک آبرو، شیخ شرف الدین، میر شاکر ناجی، محمد حسین کلیم اور شاہ ظہور الدین حاتم وغیرہ آتے ہیں۔ ملا نصرتی، ولی دکنی، سراج اورنگ آبادی اور میر شاکر ناجی، اردو کے وہ سابقین اوّلین شعرا ہیں جن کے دداوین وکلیات حمد ونعت اور منقبت کے اشعار سے بھرے پڑے ہیں۔

حکیم سید عبدالحیٔ کی ''گلِ رعنا'' کی صراحت کے مطابق دورِ سوم کے بعد شعرائے متوسطین کا دور آتا ہے جس میں مرزا مظہر جان جاناں، مرزا محمد رفیع سودا، خواجہ میر درد اور میر تقی میر کا شمار قدآور شعرا میں ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ یہ شعرائے متوسطین کا دورِ اوّل ہے۔ شعرائے متوسطین کے دورِ دوم میں غلام ہمدانی مصحفی، غلام علی راسخ، میر غلام حسن، انشاء اللہ خان انشاء وغیرہ ہیں۔ شعرائے متوسطین کا ایک سنہرا دور اور بھی ہے جسے اردو شاعری کا دورِ سوم ہی نہیں بلکہ اردو شاعری کا عہد زریں کہا جاتا ہے۔ یہ مبارک دور شاعری کے عروج وارتقاء کا دور ہے، جس میں شاہ نصیر الدین نصیر، شیخ محمد ابراہیم ذوق دہلوی، مرزا غالب دہلوی، حکیم مؤمن خان مؤمن، بہادر شاہ ظفر، نواب مصطفیٰ خان شیفتہ اور کرامت علی شہیدی وغیرہ جیسے کج کلاہانِ فن اور اصحاب شعر وسخن اپنے اعلیٰ فکر وتخیل سے گلشن ادب کو لالہ زار بنائے ہوئے تھے۔

اردو شاعری کے ان تینوں ادوار میں تقریباً پچاس شعراء ایسے ہیں جن کے کلیات و دواوین میں منقبت کے اشعار کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ نصیر الدین ہاشمی کی کتاب ''دکن میں اردو'' ہمارے دعویٰ کی روشن دلیل ہے، جس میں دکنی شعرا میں سے تقریباً دو درجن ایسے شاعروں کا تذکرہ موجود ہے جنھوں نے منقبت کے چند اشعار ضرور کہے ہیں اور شعر و ادب کے ان تاریخی ادوار میں سے دورِ اول اور دورِ سوم کے طبقۂ سوم سے تعلق رکھنے والے بعض شعراء ایسے بھی ہیں جنھوں نے اتنی زیادہ تعداد میں منقبتیں لکھی ہیں کہ انھیں اگر ''منقبت نگار شعرا'' کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہوگا۔

اِس وقت ہند و پاک میں مذہبی و ادبی طبقہ سے تعلق رکھنے والے سینکڑوں شعرا موجود ہیں جن کے منقبتی اشعار لاکھ سے بھی متجاوز ہیں، مدارس اور خانقاہوں نے ہر دور میں اردو شعر وادب کی خدمات انجام دی ہیں جس کا سلسلہ تا ہنوز جاری ہے اِس وقت ہند و پاک کے طول وعرض میں پھیلی ہوئی سینکڑوں خانقاہیں موجود ہیں، جہاں سے دعوت وتبلیغ، اصلاحِ معاشرہ اور دین وادب کے فروغ وارتقا کا کام بحسن وخوبی انجام پا رہا ہے۔ ان خانقاہوں کے تقریباً اکثر سجادگان شعر وادب کا پاکیزہ ذوق ضرور رکھتے ہیں اور حمد ونعت ومنقبت کی شکل میں اپنے فکر وفن کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ ایک مستقل موضوع ہے، جس پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔

خانقاہ فریدیہ، لاہور، خانقاہ چشتیہ اجمیر، خانقاہ نظامیہ دہلی، خانقاہ اشرفیہ کچھوچھہ، خانقاہ قادریہ بدایوں، خانقاہ برکاتیہ مارہرہ، علی گڑھ، خانقاہ رضویہ بریلی، خانقاہ فردوسیہ بہار شریف، خانقاہ عمادیہ پٹنہ، خانقاہ شہبازیہ بھاگل پور وغیرہ، ہندوستان کی یہ وہ عظیم اور معروف خانقاہیں جہاں سے اِس وقت دین و مذہب کے ساتھ شعر و ادب کی خدمات بھی انجام دی جا رہی ہیں اور یہاں کے سجادگان حمد ونعت اور منقبت کے اصناف میں خوب خوب طبع آزمائی کر کے اردو شعر وادب کے ذخیرے میں گراں قدر اضافہ کر رہے ہیں۔ زیر نظر مقالے کے باب دوم میں ''اردو کے منقبت نگار شعرا'' کے ضمن میں ہم اس کے نمونے پیش کریں گے۔

راقم السطور یہاں اردو کے اُن چند نہایت ہی اہم ومعروف شعرا کی ''منقبت نگاری'' پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالتا ہے جنھوں نے اتنی کثیر تعداد میں منقبتیں لکھی ہیں کہ ان کا مجموعہ ایک ضخیم کلیات کا تقاضا کرتا ہے۔ باقی وہ شعرا جنھوں نے منقبت کے دو چار کلام یا چند اشعار کہے ہیں، ان کی تعداد بے شمار ہے۔ پہلے اردو کے قدیم شعرا کے ناموں کی ایک فہرست ملاحظہ کریں، جن کے کلام میں منقبت کی ایک کثیر اور معتد

یہ تعداد پائی جاتی ہے۔(1) محمد قلی قطب شاہ (2) ولی دکنی (3) شیخ ظہور الدین حاتم (4) ملک خوشنود دکنی (5) ملا غواصی (6) مرزا محمد رفیع سودا (7) مرزا غالب دہلوی (8) میر تقی میر (9) حکیم مؤمن خان مؤمن (10) بہادر شاہ ظفر (11) علامہ ڈاکٹر اقبال (12) میر انیس لکھنوی (13) مرزا دبیر لکھنوی (14) بیدم شاہ وارثی (15) نظیر اکبر آبادی (16) شاد عظیم آبادی (17) مرزا کلب حسین نادر (18) شاہ نصیر الدین نصیر لاہوری۔ وغیرہ

اردو کے یہ وہ مایہ ناز شعرا ہیں جن پر آج دنیائے اردو کو ناز ہے اور آج بھی یہ باکمال شعرا آسمانِ شعر و ادب پہ ''بدرِ کامل'' کی مانند اپنے فکر و فن کا اُجالا پوری دنیا میں بانٹ رہے ہیں، ان عظیم المرتبت شعرا نے مختلف اصناف میں اپنا شاعرانہ کمال اور فنی جمال دکھانے کے ساتھ ''منقبت نگاری'' میں وہ گل بوٹے کھلائے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے، لیکن افسوس بھی ہوتا ہے کہ ہمارے ناقدین ادب نے ان جلیل القدر شعرا کا تعارف کبھی ''منقبت نگار'' شاعر کی حیثیت سے نہیں کیا۔

اگر مندرجہ بالا جلیل القدر شعر کا تعارف ہوا بھی تو محض ''قصیدہ گو شاعر'' کی حیثیت سے۔ ان کی ''منقبت نگاری'' پر خامہ فرسائی نہیں کی گئی۔ حالاں کہ منقبت، قصیدہ کا ایک مقبول ترین جز اور نمایاں ترین حصہ ہے۔ اردو شاعری کے ذخیرے میں قصیدہ (جس کا موجودہ مفہوم و اصطلاح امراء و سلاطین کی مدح سرائی ہے) سے زیادہ منقبت کی تعداد موجود ہے۔ اردو مجموعہ ہائے قصائد انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں جب کہ ''مجموعہ ہائے مناقب'' کی تعداد بے شمار ہے۔ محمد قلی قطب شاہ دکنی کے مجموعہ کلام ''کلیات قطب شاہ'' میں حضرت مولیٰ علی شیر خدا، دیگر ائمہ اہل بیت و مشائخ عظام کی شان میں اتنا زیادہ منقبتی کلام موجود ہیں کہ ان کا ایک مستقل مجموعہ تیار ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر محمد اسلم فاروقی اپنے مضمون ''قلی قطب شاہ کی مذہبی شاعری'' میں لکھتے ہیں: ''محمد قلی قطب شاہ کے دیوان میں مذہبی شاعری کا بھی ایک بڑا حصہ موجود ہے۔ اس کے دیوان میں حمد، نعت، منقبت، مدح بی بی فاطمہ، شاعر کا مذہب، مکھ جوت، سجن کا نور، مناجات، عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم، بعثت نبی، میلاد النبی کا جشن، شب معراج، عید سوری، عید مولود علی، عید غدیر، شب برات، شب برات کی آتش بازی، شب برات کی خوشی، شب برات کی روشنی، عید رمضان، روز عید، بقر عید، عید نو روز، عید کی مسرت وغیرہ مذہبی مواقع سے متعلق نظمیں اور غزلیں ہیں۔'' (سہ ماہی سمت، جولائی 2017)

مندرجہ بالا اقتباس سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ قلی قطب شاہ جیسے اردو کے مائیہ ناز اور مسلم الثبوت شاعر نے ''منقبت نگاری'' کی صنف کو بھی پروان چڑھایا ہے اور میدانِ منقبت گوئی میں اپنی فتح و نصرت کے پرچم لہرائے ہیں۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ''کلیات قطب شاہ'' سے مناقب ائمہ کا انتخاب الگ سے شائع کیا جائے اور ایک عظیم ''منقبت نگار'' شاعر کی حیثیت سے ان کا تعارف اہل علم و ادب کے سامنے پیش کیا جائے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ''کلیات قلی قطب شاہ'' میں منقبت کے اشعار کی تعداد ایک ہزار کے قریب ہے۔ جس عظیم اور قدیم شاعر کی نوکِ قلم سے ایک ہزار کے قریب منقبتیہ اشعار وجود میں آئے ہوں اور انھیں منقبت نگار شاعر کی حیثیت سے اب تک پیش نہیں کرنا حیرت کی بات ہے۔ جب کہ قلی قطب شاہ کی حیات اور ادبی خدمات کے مختلف گوشوں پر اب تک سینکڑوں مضامین و مقالات اور درجنوں کتب و رسائل شائع ہو چکے ہیں۔

پروفیسر اویس احمد ادیب اپنی گراں قدر تالیف ''اردو کا پہلا شاعر، پہلا مدون: ولی دکنی'' میں لکھتے ہیں:

''ولی کے قصیدوں میں تمام اجزائے قصیدہ اور قصیدے کی تمام تر خصوصیات موجود ہیں۔ بزرگان دین کی شان میں انھوں نے پانچ قصیدے لکھے ہیں، ولی کا تیسرا قصیدہ دیکھیے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منقبت (تعریف) میں ہے، انہوں نے اس قصیدے کے ابتدائی اٹھارہ اشعار میں شکایتِ روزگار پیش کیے ہیں... ان کا پانچواں قصیدہ حضرت شاہ وجیہ الدین کی مدح میں ہے جن کا مزار اقدس گجرات میں ہے۔ یہ قصیدہ ولی نے صفر کے مہینے میں کہا تھا، کیوں کہ اسی زمانے میں حضرت کا عرس ہوتا ہے، ابتدائے قصیدہ میں چودہ ایسے اشعار ہیں جن میں بہار کو موضوع بنایا گیا ہے اور پندرہواں شعر گریز کا ہے۔ ملاحظہ ہو:

سوا اس بہار میں آیا ہے عرس حضرت کا
ہوئی ہے پھر کے عیاں حشمت سلیمانی

ولی کے ممدوح بادشاہِ وقت نہیں ہیں کیوں کہ ولی کو دربارداری کا بہت کم موقع ملا، اس لیے وہ بادشاہوں کی شان میں ایک بھی قصیدہ نہ لکھ پائے، ان کے کلیات میں صرف ایک جگہ بادشاہِ وقت کا تذکرہ آ گیا ہے اور وہ بھی غزل میں۔ یہ شعر دیکھیں:

دل ولی کا لے لیا دلّی نے چھین   جا کہو کوئی محمد شاہ سے

یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام خوشامد اور بیجا تعریف سے بالکل بری ہے، ان کے بجائے توکل اور قناعت کے عناصر جابجا عیاں ہیں، ولی نے چوتھا قصیدہ حضرت میراں محی الدین قدس سرہ کی شان میں لکھا ہے۔''

(اردو کا پہلا شاعر، پہلا مدون: ولی دکنی، ص:75-80 اسرار کریمی پریس، الہ آباد، مطبوعہ:1940)

اس اقتباس سے ولی دکنی کی منقبت نگاری پر بھرپور روشنی پڑتی ہے۔ اگرچہ انھوں نے قصیدے کی ہیئت وفارم میں منقبتی اشعار موزوں کیے ہیں، لیکن اس سے ان کی منقبت نگاری پر کچھ فرق نہیں پڑتا کیوں کہ قدیم اردو میں حمد ومناجات اور نعت ومنقبت، قصیدہ یا مثنوی کے ضمن میں ہی کہی جاتی تھی۔ تقدیسی شاعری کے زیادہ تر نمونے ہمیں قصیدہ یا مثنوی کے ضمن میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ بعد میں یہ اصطلاح اردو میں مروج ہوگئی کہ اگر قصیدے میں توصیفی اشعار اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اس کی ذات وصفات سے متعلق ہوں تو انھیں حمد ومناجات اور نبی کریم ﷺ کی شان میں ہوں تو نعت، اور بزرگان دین کی تعریف وتوصیف میں ہوں تو انھیں منقبت کہا جائے گا۔

سراج اورنگ آبادی: سراج اورنگ آبادی کو مملکت شعر وسخن کا ''تاج'' کہا جاتا ہے، یہ ولی دکنی کے ہم عصر تھے ابتدائی عمر میں طبیعت حُسن پرستی کی طرف مائل تھی۔ بعد ازاں ان پر جذب اور بے خودی کی کیفیت طاری ہوگئی، بیس یا بائیس سال کی عمر میں حضرت شاہ عبدالرحمٰن چشتی کے ہاتھوں بیعت ہوئے اور پیر ومرشد کے حکم پر شاعری ترک کردی اور صوفیانہ طرز زندگی اختیار کر لی، اولیائے کرام اور بزرگان دین کے بڑے معتقد تھے، ان کی شان میں منقبت کے کچھ اشعار بھی کتابوں میں ملتے ہیں۔ ان کا مجموعہ کلام ''بوستانِ خیال'' ان کی شاعرانہ عظمت اور غزل گوئی میں اعلیٰ مہارت کی بیّن دلیل ہے۔ دکنی شعرا میں سراج ایک ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔ ولی دکنی کے بعد سراج اورنگ آبادی کو اردو کا دوسرا بڑا شاعر تسلیم کیا جاتا ہے۔

''بوستانِ خیال'' کے ص: 110-111 میں ان کی ایک مناجات بھی ہے جس میں انھوں نے اپنے نبی ﷺ، مولیٰ علی شیر خدا، بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا اور دیگر ائمہ اہل بیت کے وسیلے سے دعائیں مانگی ہیں اور ان مشائخ کی تعریف وتوصیف کی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ انھوں نے اپنے پیر ومرشد شیخ عبدالرحمٰن چشتی کی شان میں منقبت کہی ہو۔

مثنوی بوستانِ خیال میں تقریباً 15 اشعار ائمہ اہل بیت کی شان میں ہیں سراج اورنگ آبادی نے فرداً فرداً بارہ اماموں میں سے ہر ایک کا ذکر کیا ہے اور ان کے محاسن وکمالات کا نہایت عقیدت سے اظہار کیا ہے۔ منقبت نگاری کے حوالے سے سراج اورنگ آبادی کے یہ اشعار بڑی اہمیت کے حامل ہیں، کیوں کہ یہ منقبت کے اولیں نقوش ہیں جو سراج اورنگ آبادی کے کلام میں موزوں ہوئے ہیں۔

چند اشعار ملاحظہ کریں:

بحق حُسین شہ کربلا　شہید سر خنجر اشقیا
بحق نقی کانِ بُرجِ کمال　نمایاں نبی کا ہے جس میں جمال
بحق امامِ حسن عسکری　چراغِ شبستانِ نیک اختری

(بوستان خیال، ص:110-111، مطبوعہ مجلس تحقیقات اردو، حیدرآباد، دکن)

یہ ایک عظیم شاعر کا ایک مایہ ناز منقبتی کلام ہے، جس سے اردو شعرو ادب میں ''منقبت نگاری'' کی اہمیت ومعنویت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اگر منقبت نگاری کی شعری وادبی حیثیت مسلم نہ ہوتی تو اردو کے یہ مائیہ ناز اور قدیم شعرا اس صنف میں طبع آزمائی نہ کرتے۔

اِن باکمال شعرا کا منقبت نگاری کے گل بوٹے کھلانا اس بات کا ثبوت ہے کہ منقبت نگاری کا فن اردو شاعری میں نہایت مقبول ومحمود ہے اور اردو کے جدید وقدیم شعرا نے حصول برکت اور برائے نام ہی سہی منقبت کے اشعار ضرور کہے ہیں۔ اردو کے جدید وقدیم شعرا میں سے ہر ایک سے ''مرثیہ'' کے اشعار منقول نہیں ہیں لیکن منقبت ایک ایسی صنفِ سخن ہے جس میں ہر ایک نے طبع آزمائی کی ہے، اور اس فن کو تب وتاب عطا کی ہے۔ اسی طرح قصیدہ ہر ایک شاعر نے نہیں لکھا ہے۔ گویا اردو میں منقبت نگاری کی روایت قصیدہ اور مرثیہ سے کہیں زیادہ مستحکم اور شائع وذائع ہے۔

(قصیدہ سے راقم کی مراد امرا وسلاطین کی تعریف وتوصیف ہے۔)

ملا غواصی دکنی: اردو کے قدیم شعرا میں سراج اورنگ آبادی کے بعد ملا غواصی کا بھی نام منقبت نگار شاعر میں آتا ہے، اگرچہ ان سے منقبت کے اشعار زیادہ منقول نہیں ہیں، تاہم منقبت نگاری کے ابتدائی نقوش کلام غواصی میں ضرور دیکھنے کو ملتے ہیں۔ غواصی کا شمار اردو کے اولین شاعروں میں ہوتا ہے۔ ملا غواصی کو اردو شاعری کا ''ملک الشعرا''

بھی کہا جاتا ہے،غواصی کی شاعری میں نمونہ منقبت بھی پائے جاتے ہیں۔

ادیب ومحقق پروفیسر معین الدین دردائی لکھتے ہیں:

''ملاغواصی سلطان عبداللہ قطب شاہ کے عہد کا بلند پایہ مثنوی گوشاعر گزرا ہے....اس کے مذہب کے متعلق اختلاف ہے، بلوم ہارٹ نے اس کو شیعہ لکھا ہے لیکن یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا ہے، کیوں کہ اگر غواصی شیعہ ہوتے تو اس قدر خلوص واحترام کے ساتھ خلفائے اربعہ کی مدح وستائش نہ کرتے، ان کی مثنوی میں خلفائے راشدین کی منقبت اور بڑے پیر حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی مدح میں بہت سے اشعار ملتے ہیں۔مثلاً :

فدا ہوں ان کے ولیوں پر — سنوارا فقطی خارجی کاٹ کر

کہوں اب نبی کے جو ہیں چار یار — او تن چار یاراں گیرا اب شمار

(تحقیقی مقالہ،ص:110-111 مطبوعہ پاکستان کتاب گھر لاہور)

مندرجہ بالا اقتباس سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

(1)غواصی ایک بلند پایہ مثنوی گوشاعر تھے۔

(2)وہ سنی مذہب ومسلک سے تعلق رکھتے تھے،شیعہ نہیں تھے۔

(3)انہوں نے خلفائے راشدین اور حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان میں منقبت کے اشعار کافی تعداد میں لکھے ہیں، گویا ان کی منقبت نگاری مسلم ہے۔

ملا غواصی کی دو مثنویاں بہت مشہور ہیں: (1) مثنوی سیف الملوک وبدیع الجمال (2) طوطی نامہ۔ان دونوں مثنوی میں منقبت کے اشعار بھی پائے جاتے ہیں۔

ملا وجہی: سراج اور غواصی کے علاوہ ملا وجہی نے بھی منقبت نگاری میں اپنے فکر وفن کا مظاہرہ کیا ہے۔ ملا وجہی اردو زبان وادب کے مایہ ناز ادیب وشاعر گزرے ہیں، انھیں نظم اور نثر دونوں پر یکساں قدرت حاصل تھی، وجہی کا شمار اردو کے ابتدائی نثر نگاروں میں ہوتا ہے۔اردو نثر کا آغاز اگرچہ 785ھ سے ہو چکا تھا لیکن وجہی کی لاجواب اور شہرۂ آفاق تصنیف ''سب رس'' کو اردو کی پہلی باضابطہ مستقل کتاب سمجھی جاتی ہے۔محمد قلی قطب شاہ کے ہم عصر دکنی شعرا میں ملا وجہی ایک بڑے شاعر تھے، وجہی نے 1400ء میں ایک مثنوی ''قطب مشتری'' کے نام سے لکھی،اس میں انھوں نے باگ متی کے ساتھ بادشاہ کے عشق کی داستان بیان کی ہے۔''قطب مشتری'' وجہی کے شاعرانہ کمال کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے،جس میں زبان وبیان کی صفائی وبرجستگی کے ساتھ مرقع نگاری کے عمدہ نمونے بھی ملتے ہیں۔

پروفیسر معین الدین دردائی لکھتے ہیں:

''ملا وجہی اس حیثیت سے واقعی بڑا خوش قسمت ہے کہ اس کی تصانیف میں نظم ونثر دونوں کے نمونے ملتے ہیں۔وہ نظم ونثر دونوں میں ممتاز درجہ رکھتا تھا،مثنوی ''قطب مشتری'' کئی لحاظ سے قابل تعریف ہے اس کا مضمون خود شاعر کے دماغ کی پیداوار ہے۔مثنوی حسب رواج حمد سے شروع کی گئی ہے۔اس کے بعد وجہی نے مناجات، پھر نعت اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی شان میں منقبت کے کچھ اشعار کہے ہیں۔اس کے بعد عشق کی تعریف بیان کی ہے۔''

(تحقیقی مقالہ،ص:109 مطبوعہ پاکستان کتاب گھر لاہور)

''قطب مشتری'' میں موجود منقبت کے چند اشعار ملاحظہ کریں:

تو جگ کا پیارا تو جگ کا ادھار — خدا کا توں ہمدم، نبی کا توں یار

بڑا یار یاراں منے یار تو — کہ پایا محمد ﷺ کیرے ٹھار توں

سدا رحم تج پر ہے رحمٰن کا — توں پیارا پیارا ہے سبحان کا

(قطب مشتری،ص:11،12،13،انجمن ترقی اردو،دہلی)

''قطب مشتری'' میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں تقریباً 50 ، اشعار ملتے ہیں۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملا وجہی جیسے اردو کے مایہ ناز ادیب وشاعر نے بھی ''منقبت نگاری'' کے اولین نقوش چھوڑے ہیں، جو متاخرین کے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اردو کے قدیم اور ابتدائی منقبت نگار شعرا میں ایک نام ''ابن نشاطی'' کا بھی ہے۔شعرائے گولکنڈہ میں ابن نشاطی ایک عظیم فنکار کی حیثیت سے متعارف ومشہور ہیں۔ پھول بن اُن کی شاہ کار اور لافانی مثنوی ہے،جس میں حمد ونعت اور منقبت کے اشعار وافر مقدار میں موجود ہیں۔مثنوی پھول بن سے ابن نشاطی کے چند منقبتی اشعار ملاحظہ کریں۔ ان کی حالات زندگی اور تفصیلی منقبتی کلام راقم زیر نظر مقالہ کے باب چہارم میں بیان کرے گا۔

علی سارے سلطان میں ہے سپہ دار — علی سارے والیاں میں کا ہے سردار

تیرا ہے باز شہیر شہیراں کا — ہے چاراس کوں بھیجا کافراں کا

عطا کر حشر کے دن جام مجھ کو — عطا کر حشر کے دن جام مجھ کو

(مثنوی پھول بن،ص:84،85،قومی کونسل،دہلی)(جاری)

☆ ریسرچ اسکالر کولہان یونیورسٹی، چائباسہ، جھارکھنڈ

بزم سخن

نعت شریف

ستاتی ہے بہت مجھ کو غریبی یا رسول اللہ
نہیں ہے کوئی بھی میرا قریبی یا رسول اللہ

جدھر بھی جاتا ہوں ٹھکرا دیا جاتا ہوں آقا بس
کرو اب دور مجھ سے بدنصیبی یا رسول اللہ

تڑپتا ہے یہ دل میرا اور آنکھیں بھی ترستی ہیں
تمہاری دید کی خاطر حبیبی یا رسول اللہ

صبح اور شام رات و دن گناہوں میں گزرتے ہیں
دوا اب روح کی کر دو طبیبی یا رسول اللہ

ہو تیرے اُس دیوانے پر سلام جس سے خریدی تھی
وہ جنت حضرت بی بی زبیدہ یا رسول اللہ

میری امداد کو آؤ کہ اب دشوار ہے جینا
کہ ہے دشمن رقیبوں کی رقیبی یا رسول اللہ

کہا کرتا ہے فاتیؔ آپ کی جو نعت اے آقا
یہی اُس کی خوش نصیبی یا رسول اللہ

محمد فریاد فاتیؔ، مانڈل ضلع بھیلواڑہ (راجستھان)
8094849539

نعت رسول مقبول

میرے سرکار بلانا مجھ کو
اپنا دربار دِکھانا مجھ کو

میں پریشان ہوں غم دنیا سے
بوئے زلف اپنی سنگھانا مجھ کو

پیارے حسنین کے صدقے آقا
نارِ دوزخ سے بچانا مجھ کو

حمد باری تعالیٰ

کرم کر دو شہ بطحیٰ خدا کی حمد لکھنی ہے
بھرم رکھ لو مِرے مولیٰ خدا کی حمد لکھنی ہے

اٹھا لو کوئی بھی تنکا خدا کی حمد لکھنی ہے
بسا لو آنکھ میں تارہ خدا کی حمد لکھنی ہے

وہ دیکھو پیڑ اور پتہ خدا کی حمد لکھنی ہے
چمن کا پھول اور غنچہ خدا کی حمد لکھنی ہے

جناب فاطمہ شیر خدا حسنین کے صدقے
مجھے بھی ہو عطا خامہ خدا کی حمد لکھنی ہے

رسول پاک کی انگلی پہ گردش کرنے والے چاند
تو میری میز پر آ جا خدا کی حمد لکھنی ہے

تصور میں بسا لے شہر طیبہ کے حسیں جلوے
اگر تجھ کو دل شیدا خدا کی حمد لکھنی ہے

وہ جس میں لفظ وحدت کے لیے بہتر سے بہتر ہوں
دِلا ایسی لغت بن جا خدا کی حمد لکھنی ہے

غزل کہنے سے ہی فرصت نہیں پائی، اسی سے تو
کبھی تم نے نہیں سوچا خدا کی حمد لکھنی ہے

شہیرؔ کھیروی قرطاس میں خوشبو رچا دینا
قلم شفاف کر لینا خدا کی حمد لکھنی ہے

کاوش فکر: شہیرؔ رضوی کھیروی، 09792266601

نعت سرور کائنات

بلاؤں کو دفع کردیں مصیبت سے رہا کردیں
وہ جس بیمار پر چاہیں کرم کی انتہا کر دیں

چلو آقا سے ہم اپنے بس اِتنی التجا کر دیں
ہمارے دل کی تاریکی میں جلووں کی ضیا کر دیں

وہ مختارِ دو عالم ہیں اُنہیں قدرت یہ حاصل ہے
حقیروں کو غباروں کو شہنشاہی عطا کر دیں

ملے تسکین زخموں کو مریضوں کو قرار آئے
مسیحائی اگر میرے محمد مصطفیٰ کر دیں

یہ شان امتیازی ہے حبیب حق تعالیٰ کی
لب لالین کھل جائیں اندھیرے میں ضیا کر دیں

وہ منصف ہیں، وہ حاکم ہیں، وہ مختار و مبشر ہیں
وہ پروانہ رہائی کا جسے چاہیں عطا کر دیں

شجر کو خم، قمر کو شق، تکلم دیں وہ کنکر کو
یہ اُن کا اوج و منصب ہے کوئی بھی معجزا کر دیں

میں خاطی ہوں میں عاصی ہوں سزا سے بچ نہیں سکتا
تلافی کی کوئی صورت مرے خیر الوریٰ کر دیں

میری فردِ عمل میں ہو اثاثہ پارسائی کا
مرے آقا بس اِتنی سی میرے حق میں دعا کر دیں

نتیجۂ فکر: سراج القادری بہرائچی

آخری وقت بلا کر طیبہ
اپنے قدموں میں سلانا مجھ کو

خاورِ حشر رہے جب سر پر
اپنی کملی میں چھپانا مجھ کو

حشر میں پیاس کی جب شدت ہو
جام ، کوثر کا پلانا مجھ کو

اے فنؔا غرق محبت ہو کر
نعت محبوب سنانا مجھ کو

نتیجۂ فکر: مولانا محمد ذاکر حسین مصباحی
فناء القادری، حیدرآباد

نعت شریف

ہر وقت تصور میں دربارِ مدینہ ہیں
دن رات مرے لب پر اذکارِ مدینہ ہیں

عاصی کو میرے آقا رب جلد بلا لیجیے
بے چین میری آنکھیں بیمارِ مدینہ ہیں

کیا شان ہے آقا کی قرآن میں دیکھو تم
سردار ہیں نبیوں کے ابرارِ مدینہ ہیں

کیا پیاس ستائے گی جب آقا وہاں ہوں گے
کوثر کے بھی مالک وہ سرکارِ مدینہ ہیں

دے کر کے لہو اپنا اسلام کو سینچا ہے
مہکے جو دو عالم میں وہ خارِ مدینہ ہیں

ہر گام میری سانسیں پڑھتی ہیں درود اُن پر
آنکھوں میں بسے میری مینارِ مدینہ ہیں

یہ چاند فرازؔ اُن کے پرتو کا بھکاری ہے
روشن جو دو عالم میں انوارِ مدینہ ہیں

نتیجۂ فکر: سرفراز حسین فرازؔ
پیپل سانا، مرادآباد (یوپی)

نعت پاک

دنیا پسند ہے نہ حکومت پسند ہے
جس کو مرے نبی کی رفاقت پسند ہے

اس کو ارم نہ خلد کا آتا کبھی خیال
شہر نبی کی جس کو نفاست پسند ہے

دنیا کی چاہتوں سے وہ رہتا ہے بے نیاز
جس کو نبی کے ذکر کی لذت پسند ہے

ہوتا نہیں کہیں مرا دست طلب دراز
مجھ کو تو صرف تیری اعانت پسند ہے

جس میں خلوص مہر و محبت کی بو نہیں
ایسی خدا کو کب بھلا طاعت پسند ہے

جو دل غم فراق محبت کا ہے اسیر
لطف نبی کو اس کی عیادت پسند ہے

سمجھوں گا میں اسے وصیؔ معراج شاعری
کہہ دیں اگر حضور یہ عادت پسند ہے

نتیجۂ فکر: ڈاکٹر وصی مکرانی واجدی، سرلاہی، نیپال

موت

زندگی کا ختم کرنے والی ہر امکان ! موت
چل رہی ہے تیرے پیچھے پیچھے اے انسان! موت

تم کو چلنا ہے مرے ہمراہ دنیا چھوڑ کر
لیکے آتی ہے یہی سب کے لئے فرمان موت

تاکہ دل دنیا سے لگ کر یادِ رب نہ چھوڑ دے
یاد رکھنا چاہیے اِس واسطے ہر آن موت

کرتی ہے مسمار امیدوں کے قلعے آن میں
ہے بلا خیز و ہلاکت خیز وہ طوفان موت

خواہ کوئی مضبوط قلعوں کی پناہ میں جا بسے
لے کے جائے گی انہیں بھی ہے وہ شکتی مان موت

جو کیا کرتے ہیں تجھ کو یاد ، دانش مند ہیں
رہتے ہیں جو تجھ سے غافل وہی نادان موت

کیوں ہو ناز اں اپنے اونچے خوشنما محلوں پہ تم
لیکے جائے گی تمہیں اک روز قبرستان موت

کل نفس آیت قرآں کا مطلب ہے یہی
پائیں گے بیشک سبھی انسان وجن، حیوان موت

ہم تو مر کے پھر دوبارہ زندگی پا جائیں گے
ختم ہو کے تو دوبارہ پائے گی نہ جان، موت

جو بھی جینا چاہے مرنے پر کمر بستہ رہے
اہل دل کے واسطے کرتی ہے یہ اعلان موت

موت سے ہم لوگ کرتے ہیں محبت اس لئے
بن کے آتی ہے نبی کی دید کا سامان موت

سختیاں ہم موت کی تسلیم کرتے ہیں مگر
مصطفیٰ ہوں سامنے تو ہے بہت آسان موت

مرتے دم دیکھا ہے جس نے جلوۂ خیر الوریٰ
ہے وہ خوش قسمت اسی کی ہے بڑی ذیشان موت

کاش آئے اس طرح اشفاق تابش قادری
سامنے ہو اُن کا روضہ لب پہ ہو قرآن ، موت

نتیجۂ فکر: اشفاق تابشؔ قادری، خطیب وامام مسجد گلستان رضا نوری
پورنپور، ضلع پیلی بھیت (یوپی) 9758539939

مولانا کلیم الدین مصباحی مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کی محفل میں تقریر

آج کی یہ محفل بہت بڑی ہستی کی ہے کیوں کہ یہاں علم نہیں، لاعلمی میں لوگ اپنے جیسے سمجھنے لگے۔ بہت بڑے جید علم تھے آپ۔ آپ کی صلاحیت بہت اونچی تھی اور میں نے یہ دیکھا کہ اللہ ورسول کی محبت میں ہمہ دم یکساں زندگی گزارتے۔ کسی سے کوئی مطلب نہیں، دنیا ومافیہا سے کوئی جھنجھٹ نہیں، یہ آپ کا کردار، رفتار، گفتگو بتارہی ہے۔ جب بھی مجھ سے ملاقات ہو، راستے میں گاڑی روکتے، گفتگو کرتے تھے، کہتے اور ''بھیا ملاقات نہیں ہوتی''، کم ازکم نہیں تو دس منٹ کھڑا کر کے گفتگو کرتے، تب مجھے مہلت دیتے تھے روانہ ہونے کا۔ یہ خوبی آپ کی تھی۔ رسول کائنات کی محبت میں ہمہ دم میں نے دیکھا کہ وہ زندگی گزارر ہے تھے۔ آپ چلتے تھے تو خدااور رسول کا ذکر ہی لے کر چلتے تھے۔ اللہ سے ڈر، رسول اللہ سے پیار جس کے اندر رسول اللہ سے پیار ہوا وہ جنتی ہے بلکہ نہ صرف وہ جنتی ہے بلکہ اَن گنت لوگوں کو جنت میں لے کر جائیں گے جیسے کہ سرکار اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ ایک عالم دین اَن گنت لوگوں کو جنت میں لے کر جائیں گے۔

آپ جنتی تھے، اِن شاء اللہ ہم لوگوں کو امید ہے کہ پیار ومحبت سے جنت میں لے جائیں گے۔ اِس لائق ہمارے مولانا کلیم الدین مصباحی تھے۔ لوگوں کو رشد وہدایت سکھاتے ہوئے چل رہے تھے۔ پیار ومحبت سے زندگی گزارتے تھے۔ آپ بہت بڑے جید عالم لیکن سماج کے پڑھے لکھے نہیں ہونے کی وجہ سے ان کی قدر نہیں ہوسکی۔ البتہ یہ سب کے قدرداں تھے اور یہ رسول کائنات ﷺ سے ہمہ دم محبت کرتے تھے اور ان کی پیروی کرتے تھے۔ شاعر کہتا ہے کہ

دیدارِ نبی کی حسرت میں جو آنکھ ہمیشہ روتی ہے	اُس آنکھ کے آنسو کا قطرہ قدرت کی نظر میں موتی ہے
جس دل میں نبی کی الفت ہے جو یادِ نبی میں روتی ہے	اُس دل کا تمنا ہیرا ہے اُس اشک کا آنسو موتی ہے

یہ ہمارے مولانا کلیم الدین مصباحی صاحب تھے جو رسول کائنات کی محبت میں آنکھ سے آنسو بہاتے اور وہ آنسو قدرت کی نظر میں موتی بن جاتے تھے۔ آج ہمارے مولانا کلیم الدین مصباحی دنیا سے چلے گئے، تشریف لے گئے لیکن کتنے کو عالم بنائے، کتنے کو مفتی بنائے، کتنے کو فاضل بنائے۔ مدرسے میں تعلیم دینا۔ بچوں کو پیار ومحبت، بچوں کے ساتھ کھیل کھیل کر تعلیم دیا کرتے۔ بچوں سے بڑی انسیت ومحبت تھی۔ میں نے دیکھا واقعی آپ حقیقت میں علم کا کام ہے، وہ آپ کرر ہے تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اُن کو غریق جنت عطا فرمائے۔ آمین

آج ہمارے مولانا کلیم الدین مصباحی صاحب کی اتنی محبت تھی کہ ہم اندازہ نہیں لگا سکے۔ سنت نبوی کے مطابق رہتے اور ہمیشہ اوراد ووظائف میں مصروف رہتے۔ اگر کھیت میں جاتے تھے ہمیشہ میں نے دیکھا کہ آپ کا لب ہلتا رہا۔ کبھی درود پڑھتے، کبھی کلمہ پڑھتے، کبھی قرآن پڑھتے تھے اور تمام کائنات کے مومن مرحومین کے نام ایصال ثواب کا کام کیا کرتے تھے اور جس نے کائنات کے تمام مومنوں کے نام ایصال ثواب کا کام کیا تو سمجھ لو کہ وہ جنتی ہے، لوگوں کو جنت میں لے جانے کے لئے وردگار رہے تھے اور جب مولانا کلیم الدین آخری وقت میں مرض موت میں مبتلا ہوئے، مجھے پتا چلا کہ آپ بیمار ہیں تو ہم بھی آئے، آپ کو بڑی خوشی ہوئی۔

عالم دین سے بڑی محبت کرتے تھے۔ علم دین کی محبت میں زندگی گزارتے۔ ان سے گفتگو دس منٹ، بیس منٹ ہوتی تھی، اخلاق حسنہ میں دیکھئے ان کے تعلقات مجھ سے رہے، کبھی چائے کبھی ناشتہ تیار کرواتے تھے۔ میں نے بار بار کہا کہ نہیں حضور چائے پی کر آیا ہوں۔ ''نہیں تھوڑا سا۔'' ان کے پیار میں تھوڑی تھوڑا چائے پیتے تھے۔ میں دیکھنے کے لئے آیا، جب بیمار تھے اور جب بھی بلایا میں پہنچا محبت میں اور محبت سے وہ بلاتے تھے۔ مولانا کلیم الدین صاحب کی وفات پر ہزار ہا صدمہ ہوا۔ زندگی میں ہمیشہ بیٹھتے اٹھتے ملاقات ہوتی تھی، رفتار وگفتار عالمانہ ہوتی تھی۔ آج میرے ساتھی جدا ہوگئے، میں بہت زار زار رویا، افسوس کیا پھر میں نے اپنے دل کو سمجھایا کہ ایک نہ ایک دن سب کو جانا ہے۔ ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ آج اُن کی تو کل ہماری باری ہے، دنیا سے کہاں ہماری یاری ہے، موت سے کس کو رُستگاری ہے!

مقرر: حضرت مولانا محمد ضیاء الحق اشرفی شہزادہ مناظر اہل سنت حضرت علامہ الحاج الشاہ مفتی عبدالحفیظ علیہ الرحمۃ والرضوان، بیچھارا، ضلع پورنیہ، کٹیہار (بہار)

اطلاع: کامل احمد نعیمی ابن مولانا کلیم الدین مصباحی مرحوم (ریکارڈنگ سے نوٹ کی ہوئی خبر)

پیش قدمیاں

قنوج کی سہ روزہ چھٹی سالانہ عالمی کانفرنس بنام جشن عثمان غنی ویک روزہ سیمینار

مؤرخہ ۹، ۱۰، ۱۱ مارچ کو الجامعۃ الاحمدیہ کے زیر اہتمام فروغ تصوف فاؤنڈیشن کی جانب سے سہ روزہ چھٹی سالانہ عالمی کانفرنس بنام جشن عثمان غنی اور یک روزہ سیمینار کا انعقاد ہوا، جس میں ہندوستان کے متعدد صوبہ جات کے علماء ومشائخ اور عوام اہلسنت کے علاوہ بیرونی ممالک جیسے یوکرین، رشیہ، بنگلا دیش اور چین وغیرہ کے علماء ومفتیان کرام اور مشائخ ودانشوران نے شرکت فرمائی۔

۹ مارچ بروز جمعہ بعد نماز جمعہ افتتاحی اجلاس منعقد ہوا، جس میں مولانا سید اوصاف علی آفاقی اور مولانا ابوالقیس مجددی نے نعت ومنقبت پیش کی، مولانا محمد آصف رضا مجددی آفاقی نے حضرت عثمان غنی کی حیات وخدمات پر خطاب کیا، بعدہ چاروں سلاسل کے ائمہ طریقت ودیگر اولیائے امت کے نام ایصال ثواب اور فاتحہ ودعا پر محفل کا اختتام ہوا۔ بعد نماز عشاء محلہ تاج پور نوکاشت میں جشن مجدد الف ثانی کا انعقاد ہوا، جس میں مولانا شاہد رضا آفاقی، مولانا سید اوصاف آفاقی، مولانا ابوالقیس مجددی وغیرہ نے نعت ومنقبت پیش کیے اور مولانا نبیل اختر نوازی آفاقی دہلی نے خطاب فرمایا۔ بحر العرفان حضرت مفتی آفاق احمد مجددی دام ظلہ نے تجدید کے لغوی واصطلاحی معنی اور اقسام تجدید کے ساتھ مأۃ اور تجدید الف ثانی کی وضاحت بھی فرمائی۔ حضرت مجدد کی تجدید الف ثانی اور دائرۂ تجدید پر بھرپور روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے حاضر باش علماء وطلباء سے فرمایا کہ آپ حضرات اِن حقائق ومعارف کو اچھی طرح سے محفوظ کرلیں کیونکہ بہت سے لوگ ان حقائق سے ناواقفیت کی بنا پر غلط فہمیوں کا شکار ہو گئے ہیں۔

۱۰ مارچ بروز ہفتہ ذکر ومراقبہ اور اشراق کے بعد حضرت بحر العرفان دام ظلہ نے مہمان علماء اور اہل ارادت سے ''حقائق تصوف'' کے عنوان پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ فروغ تصوف فاؤنڈیشن کا مقصد اساسی، ذکر خدا کو عام کرنا اور عملی تصوف کو نافذ کرنا ہے لہذا تمام سلاسل کے ارادت مندوں کو علم کے ساتھ عملی طور پر بھی تصوف کو اپنانا لازمی وضروری ہے۔ بعد نماز ظہر ایک اہم تربیتی مجلس قائم ہوئی جس میں مولانا آفتاب عالم مجددی دیوریاوی نے ذکر وفکر کی اہمیت، افادیت اور طریقۂ ذکر کے تعلق سے مفید خطاب کیا۔ کثیر تعداد میں اہل ارادت نے حضرت بحر العرفان کی معیت میں مراقبہ اور اکتساب فیض کی سعادت حاصل کی۔ بعد نماز عصر جامعہ کے اساتذہ وطلباء نے داعی کبیر شیخ احمد تمیم مفتیٔ اعظم یوکرین کا زوردار استقبال کیا، تہنیت نامہ پیش کیا۔ شیخ موصوف نے عربی زبان میں پر مغز خطاب فرمایا جس کا خلاصہ سامعین کے گوش گزار کیا گیا۔

۱۱ مارچ بروز اتوار یک روزہ انٹرنیشنل سیمینار منعقد ہوا، جس میں ہندوستان کے متعدد صوبوں کے علماء ودانشوران اور اہل ثروت کے علاوہ یوکرین، رشیہ، ساؤتھ افریقہ، چین اور بنگلا دیش کے علماء ودانشوران نے بھی شرکت فرمائی۔

پہلی نشست = صبح ۱۰ بجے سے ۱۲ بجے تک ہوئی، جس میں مولانا محمد ظفر الدین برکاتی چیف ایڈیٹر ماہنامہ کنز الایمان دہلی نے ''بھارت کا مسلمان اور تعمیر وترقی کے امکانات ومواقع'' پر سیمینار کی اہمیت وضرورت واضح کیا پھر سبھی اقدامات کے بنیادی نقطۂ نظر کو بیان کیا۔ اہم مقالہ پیش کرتے ہوئے اِس بات پر بھی زور دیا کہ ہمیں اپنے بزرگوں کی سیرت سے سبق حاصل کرکے اُن کی طرح دوسروں پر اثر ڈالنے کی کوشش کرنا چاہئے نہ کہ اُن کی بشری لغزشوں سے اثر انداز ہوکر اپنے منصبی صراط مستقیم سے بھٹک جانا چاہئے۔ مولانا یعقوب قادری خطیب وامام مسجد خلیل اللہ اور مولانا زین العابدین برکاتی کاس گنج نے بھی اپنے تأثرات پیش کیے۔ مولانا سید نور عالم مصباحی ریسرچ اسکالر مسلم یونیورسٹی اور مولانا نبیل اختر نوازی آفاقی وغیرہ بھی شریک رہے۔

دوسری نشست ۲ بجے دوپہر سے پانچ بجے تک ہوئی، جس میں حضرت سید بابر اشرف کچھوچھوی نے کہا کہ لڑتے کم ہیں، ہمیں لڑایا زیادہ جاتا ہے لیکن پھر وہی بات ہے کہ ہم لڑتے ہیں اور اپنی مالی، وقتی اور فکری طاقت انتہائی غیر ضروری مسائل پر برباد کر دیتے ہیں۔ اُن کو ہم محفوظ کرکے اپنے اور اپنی نسلوں پر لگانے کی شروعات کریں۔

مولانا جاوید عنبر مصباحی انڈمان نکوبار نے کہا کہ جتنا یوپی گورنمنٹ کا، کل سالانہ بجٹ ہوتا ہے آج مسلمان اتنا روپیہ شادی بیاہ کی غلط رسموں میں برباد کر دیتے ہیں، اگر اس روپیہ کو تعلیم پر خرچ کیا جائے تو ہم کسی سے بھی پیچھے نہیں رہیں گے۔ ڈاکٹر عبد السلام جیلانی شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے اپنے معلوماتی اور فکر انگیز مقالہ میں چند عبرت انگیز باتیں رکھیں:

(۱) مسلمانوں کے ساتھ مسائل ہمیشہ رہے اور ہمیشہ رہیں گے مگر ہمیں ان پر آنسو بہانے کے بجائے انہیں حل کرنا چاہئے۔ (۲) مسلمانوں کو کتابی اسکول کے بجائے ''ورک اسکول'' کھولنا چاہیے تاکہ پڑھنے والوں کو ذہن ودماغ کے ساتھ کردار میں بھی نمایاں تبدیلی آسکے اور وہ مردِ میدان بن کر نکلیں۔ (۲) ہمیں موجودہ

زمانے کے چیلینجوں سے ڈرنا نہیں چاہئے بلکہ ہمیں انھیں قبول کر کے جی لگا کر محنت کرنا چاہیے تاکہ بازی جیت سکیں۔(۴) ہمیں صبر کے ساتھ کام کرتے رہنا چاہیے اور دوسروں کے چڑھانے پر اوبال نہیں کھانا چاہیے۔

انجینئر توحید قادری (دہلی) نے کہا کہ آج ہمیں کتابیں رٹنے کی بجائے فکر ڈیولپ کرنا چاہیے، جیسے امام غزالی نے اپنی فکر کو ڈیولپ کیا پھر وہ ہم عصروں پر چھا گئے۔ مولانا غلام رسول دہلوی نے مسلمانوں کو میثاق مدینہ سے سبق لینے کا مشورہ دیا۔ مولانا افروز قادری چریا کوٹی نے کہا کہ سخت محنت کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا، لہٰذا ہمیں قوم کی ترقی کے لئے سخت محنت کرنا پڑے گی۔ آئی اے ایس کوچ سمیر احمد صدیقی صاحب نے سائنس اور قرآن کے گہرے رشتوں کو تفصیل سے بیان کر کے دل کی دھڑکن میں ذکر الٰہی کی سائنٹفک تصویر پیش کی۔ صدر العلماء علامہ محمد احمد مصباحی ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور نے پیش کیے گئے مقالوں کے اہم نکات پر عمل کرنے کی ترغیب دی۔ بحر العرفان حضرت مفتی آفاق احمد مجددی نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ محمد آصف رضا مجددی نے نظامت کے فرائض انجام دِیے۔

اجتماع خواتین وجشن رِدائے فضیلت: صبح دس بجے سے شام پانچ بجے تک خواتین اسلام کا عظیم سالانہ اجتماع وارثی انٹر کالج کے گراؤنڈ میں منعقد ہوا، جس میں بشریٰ فاطمہ آفاقیہ، عالمہ عرشی فاطمہ، سعدیہ ظفر مدنی دہلی، عالمہ شگوفہ ناز علی گڑھ، عالمہ زیبا فاطمہ وغیرہ نے نعت ومنقبت پیش کی۔ عالمہ فاضلہ بزمہ فاطمہ معلمہ مدینۃ البنات چھبرامئو نے اصلاح معاشرہ کے عنوان پر، شہزادیٔ محقق مسائل جدیدہ عالمہ فاضلہ ام حبیبہ برکاتی (معلمہ کلیہ فاطمہ زہرا، ذاکر نگر دہلی) نے ''اسلام میں عورتوں کا مقام اور بیٹی بچاؤ بیٹی پڑھاؤ، اسلامی نعرہ'' پر خطاب فرمایا، عالمہ فاضلہ نور فاطمہ آفاقیہ شہزادیٔ بحر العرفان، عالمہ فاضلہ عائشہ صدیقہ معلمہ جامعۃ محصنات نے حضرت عثمان غنی کی حیات وخدمات کے تعلق سے تعارفی اصلاحی اور ترغیبی خطابات پیش کیے، بعدہ شہزادیٔ بحر العرفان عالمہ فاضلہ صالحہ صدیقہ نے عشق رسول اور عالمہ فاضلہ شفا صدیقہ (صدرِ معلمات) نے تعلیم نسواں کی اہمیت وضرورت پر خطاب پیش کیا۔ اسی اجلاس میں الجامعۃ الاحمدیہ کے شعبۂ نسواں جامعۃ محصنات سے فارغ ہونے والی ۵۳ فاضلات کو ''رِدائے فضیلت'' سے نوازا گیا۔ خواتین کا یہ اجلاس اپنی نوعیت کے اعتبار سے ہندوستان کا وہ عظیم اجتماع ہوتا ہے جس میں ملک بھر کی ہزاروں کنیزانِ فاطمہ شرکت کر کے دینی وعلمی تشنگی بجھاتی ہیں۔

بعد نمازِ عشا عالمی کانفرنس = جشن عثمان غنی وجشن دستارِ فضیلت کا انعقاد ہوا جس کی سرپرستی حضرت مولانا احمد رضا خاں نقشبندی کمال پوری دام ظلہ نے فرمائی۔ بعد نماز عشاء قاری محمد اعظم کشمیری کی تلاوت قرآن پاک کے ذریعہ اس محفل کا آغاز ہوا۔ قاری فردوس آفاقی، سید فرقان علی علی گڑھ، جناب فاروق مدناپوری، شبیر احمد برکاتی اور فاروق برکاتی ساؤتھ افریقہ مقیم حال انڈیا نے نعت ومنقبت پیش فرمائی۔ مولانا زین العابدین برکاتی، مولانا نبیل اختر نوازی آفاقی، مولانا عبید اللہ حیدری ناگوری، مولانا سید محمد کوثر ربانی (باندوی) مولانا ہاشم اشرفی کانپوری اور مولانا سید جاوید نقشبندی دہلوی وغیرہ نے حضرت عثمان غنی کی سیرت وسوانح، اتباع رسول کی اہمیت وضرورت، قوم مسلم کے مسائل کا حل (وغیرہ) مختلف عنوانات پر خطاب فرمایا۔

ڈاکٹر شیخ احمد تمیم مفتیٔ اعظم یوکرین نے عربی زبان میں خطاب فرمایا، ترجمانی کے فرائض ڈاکٹر سید ارشاد بخاری بنگلہ دیش نے انجام دیئے۔ اہل سنت خواہ کسی ملک کے رہنے والے ہوں آپس میں بھائی بھائی ہیں، چاہے حنفی ہوں، شافعی ومالکی وحنبلی ہوں یا عقائد کے اعتبار سے ماتریدی واشعری ہوں، ان کے علاوہ جو بھی ہیں، خواہ وہ اپنے آپ کو سلفی کہیں یا اہل حدیث یا مودودی وقادیانی، ان کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں، ہمیں ان سے ہوشیار رہنا چاہیے۔ رشین اسلامک یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر شیخ رفیق اور پروفیسر شیخ رستم نے بھی اپنے تأثرات پیش فرمائے اور بحر العرفان واراکین جامعہ کی محبتوں کا شکریہ ادا کیا۔ ان کی ترجمانی مولانا انوار احمد بغدادی پرنسپل دار العلوم علیمیہ نسواں جمدا شاہی نے فرمائی۔ ڈاکٹر سید ارشاد بخاری نے کہا کہ گذشتہ کئی صدیوں سے عالم اسلام کی قیادت ہندوستان نے کی ہے، ہمیں امید ہے کہ موجودہ دور میں بھی قیادت اسلامی کا سہرا ہندوستانیوں کے سر رہے گا۔ چین سے تشریف لائے شیخ اسحاق نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

صدر العلماء حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب قبلہ نے دینی جلسوں کی سنجیدگی برقرار رکھنے اور انہیں بامقصد بنانے پر زور دیا۔ بحر العرفان دام ظلہ نے مہمانوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ الحمدللہ ہم اہل سنت کے پاس سب سے اچھے قلم کار، دانشور، خطیب ومفتی اور مدرسین ہیں۔ صرف افسوس یہ ہے کہ ہم بکھرے ہوئے ہیں، اگر ہم متحد ہو کر سوادِ اعظم اہل سنت وجماعت کا کام کریں تو کوئی ہمارے سامنے ٹک نہیں پائے گا لیکن آج ہم خود اپنوں کے پیر کھینچنے میں لگے ہوئے ہیں، ہمیں اِس عادت سے باز آنا چاہیے اور دشمن سے بہتر پالیسی تیار کر کے مقابلہ کرنا چاہیے۔ میری پوری زندگی آپ کے سامنے ہے کوئی شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے قولاً وعملاً یا اعتقاداً کبھی سوادِ اعظم اہل سنت وجماعت سے سرمو انحراف کیا ہو لیکن الحمدللہ ہم صرف باتیں نہیں کرتے، کام کرتے ہیں اور جو کام کرتا ہے، اُسے بہت کچھ جھیلنا پڑتا ہے اور سننا دیکھنا ہوتا ہے۔

اخیر میں جامعہ سے فارغ ہونے والے علماء فضلاء اور حفاظ وقراء کی دستار بندی ہوئی۔ ۵ بجے صبح صلوۃ وسلام اور دعا پر سہ روزہ عالمی سالانہ عظیم سیمینار وکانفرنس اور جشن دستارِ فضیلت، رِدائے فضیلت، محافل تزکیہ ومذاکرہ ومجالس ذکر وفکر کا اختتام ہوا۔

اطلاع: مولانا قاری ضیاء القمر آفاقی مجددی، استاد جامعہ احمدیہ، حمالی پورہ ونمائندہ فروغ تصوف فاؤنڈیشن، قنوج، اتر پردیش (ہند)